جلد نمبر 03 | 13 جمادی الثانی تا 13 رجب 1439 ہجری یکم مارچ تا 31 مارچ 2018ء | شمارہ نمبر 5-6

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ مجدد صد چہاردہم

جماعت ایک دوسرے کی ہمدردی سے بنتی ہے

’’جس شخص کو پوری طاقت دی گئی ہے وہ اپنے کمزور بھائی سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے حالانکہ چاہیے تو یہ کہ اس کے لئے دُعا کرے، اس سے محبت کا اظہار کرے اور اسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے لیکن بجائے ان کے کینہ میں زیادتی کی جاتی ہے۔ اگر ایسے کمزور بھائیوں سے عفو نہ کیا جائے اور اس سے ہمدردی نہ کی جائے تو اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں۔ جماعت تب ہی بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کریں آپس میں پردہ پوشی کی جائے۔ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے تب وہ ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اگر ایک شخص کا بیٹا کوئی قصور کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ ہو کر سمجھایا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے بھائی کی ہر شخص پردہ پوشی چاہتا ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ اس کے عیبوں کے لئے اشتہار دے پھر جب اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کا بھائی بنائے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں کہ بدسلوکی اور بے مروتی کی جائے۔۔۔ بعض وقت انسان جانوروں، بندروں اور کتوں سے بھی سبق سیکھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طریق کو بہت ناپسند کرتا ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو اور یہ طریق نامبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو بھی یہی طریق ونعمت اخوت یاد دلائی ہے اور اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کر دیتے تو وہ اخوت ان میں پیدا نہ ہو سکتی تھی جو رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے ان کو ملی۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں بھی قائم کرے گا۔ ۔۔دیکھو ایک دوسرے کا شکوہ کرنا، دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کر کے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے ۔اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے۔ پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے جس میں امیر غریب، بچے، جوان، بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور ان کی عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں۔‘‘ (ملفوظات احمدیہ جلد چہارم)

اداریہ

قومی ترقی کے لئے کوشش اور مثبت سوچ کی ضرورت

آج اقوام عالم ایک عجیب دوڑ میں گرفتار ہے۔ ہر قوم ترقی کے حصول کی خاطر سرگرم عمل ہے۔ ہر ایک قوم کی یہی خواہش ہے کہ وہ تیزی سے شاہراہِ ترقی پر قدم مارتے ہوئے سب سے آگے نکل جائے۔ قوموں نے رسم ورواج کے فرسودہ طریق کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ علم وعمل کے نت نئے انداز اختیار کئے جارہے ہیں۔ دنیا ترقی کی نئی منزلیں طے کررہی ہے۔ اور عدل وانصاف کی بالادستی اور انسانی حقوق کے حصول کے لئے سنجیدہ قدم اُٹھا رہی ہے۔ مگر مسلمانانِ عالم عموماً اور مسلمانانِ پاکستان خصوصاً غفلت کا شکار ہیں۔ دہشت گردی اور مسلمانوں کی عمومی حالت کی وجہ سے مغرب کے مہذب حلقے مسلمانوں کو نفرت وحقارت سے دیکھنے لگے ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی تجویز کردہ فلاح کی راہ کو چھوڑ کر بے عملی اور تشدد کو ہی کامیابی کی راہ سمجھ لیا ہے۔ عدل وانصاف کا دامن چھوڑ کر بے ایمانی اور ظلم وتعدی سے ناطہ جوڑ لیا ہے۔ مسلمان یہ بات بھول گئے ہیں کہ اللہ کے قوانین عالمگیر ہیں اور دنیا کا نظام اسی کے ماتحت چلتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قوانین قدرت اور انسانی فلاح کی راہ قرآنِ مجید میں درج کردی ہے۔ اللہ نے اپنی رحمانیت کی بدولت انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں ایک ہمہ گیر تخلیقی نظام قائم کررکھا ہے جو وہ خود پیدا نہ کرسکتے تھے لیکن ان سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جب ان انعامات کے استعمال کے لئے قوت عمل کو بروئے کار لایا جائے۔ جب انسان کاوش کرتا ہے تو اللہ کی صفت رحیمیت جوش میں آتی ہے اور اپنی اس صفت کے فیض سے محنت کا بدلہ اور معاوضہ کئی گنا بڑھا کردیتا ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت میں مدد ومعاون ہے۔ ایک غلہ کے دانے کی مثال دیکھ لیں جب انسان اس کو بونے کے عمل کو اختیار کرتا ہے تو قدرت کے سارے عناصر اس کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوجاتے ہیں اور اس کو منطقی انجام تک پہنچاتے ہیں۔ زمین، فضا، نظام شمسی سب مل کر اس کی مدد کررہے ہوتے ہیں۔ جوں ہی انسان زمین میں بیج بوتا ہے تخلیقی عمل کے تمام عناصر انسانی عمل کی کامیابی میں شامل ہوجاتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہر کام کو انجام دینے کے لئے کوشش کو ضروری قرار دیا ہے۔ ''انسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے اور کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی اور پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا'' (سورۃ النجم 53:39-41)۔ غیر اقوام نے اس قانون قدرت کو سمجھ لیا لیکن مسلمان اس دور میں اس سے تہی دست ہیں جس کی وجہ سے وہ ناکامی اور ذلت کا شکار ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ ''اس کی کوشش دیکھی جائے گی'' اس آفاقی قانون کی طرف اشارہ کررہے ہیں جس کا ہم سب مشاہدہ کررہے ہیں۔ اس موقع پر حدیث میں درج وہ مشہور حدیث یاد آرہی ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اکرم صلعم کا یہ فرمان سنا کر کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا جنت میں چلا جائے گا۔ اس کو سنتے ہی وہ دوڑ پڑے اور اس کا اعلان کرنے لگے۔ جب یہ اعلان حضرت عمرؓ نے سنا تو ان کو ٹوکا کہ آپ یہ کیا اعلان کررہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو رسول اکرم صلعم کا فرمان سنا رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ کو لے کر حضور صلعم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ حضرت ابوہریرہؓ یہ اعلان کررہے ہیں کہ آپؐ نے ایسا فرمایا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے یہی کہا ہے لیکن ابوہریرہؓ نے اس کو غلط سمجھا ہے۔ صرف اس کا اقرار کافی نہیں بلکہ خدا پر پختہ ایمان اور رسول صلعم کے اسوہ پر پوری طرح عمل ہی انسان کو جنت میں لے جائے گا۔ مسلمان اس وقت اسی صورت حالات سے دوچار ہیں۔ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان تو بڑے زور و شور سے کرتے ہیں لیکن عملی صورت بالکل صفر ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ وہ اپنے نظریات، مقاصد اور اعمال کی عمارت کو خدا کے نازل کردہ قوانین کی روشنی میں استوار کریں۔ یہی وہ صورت ہے جس کو اختیار کرکے قومی ترقی کا حصول ممکن ہے۔ عمل کے متعلق مسلمانوں کو کسی شاعر نے کیا خوب نصیحت کی ہے:

بڑھو، ہمت کرو، جُنبش کرو، محفل میں آجاؤ
نہ یوں بزمِ عمل میں نقشِ بر دیوار ہو جاؤ
برنگِ موجِ مضطر ہے عمل سے زیست دنیا میں
نہ یوں ساحل سے لگ کر آ کے تم بیکار ہو جاؤ

(م۔ح۔د)

خطبہ جمعۃ المبارک

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 23 مارچ 2018ء بمقام جامع دارالسلام لاہور

ترجمہ: ’’اور کہتے ہیں کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اُن کے جو یہودی ہوں یا عیسائی۔ یہ اُن کی آرزوئیں ہیں کہہ اپنی سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی سچائی پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودی کسی سچائی پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اسی طرح انہی کے قول کے مانند وہ لوگ کہتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے۔ سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن ان کی باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔‘‘

(سورۃ البقرہ آیت 113-111)

ان تین آیات پر میں کچھ خیالات بیان کروں گا اور یہ خیالات حضرت مسیح موعودؑ کی کتب جنگ مقدس، آئینہ کمالات اسلام، رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب، الحکم جلد 16، براہین احمدیہ جلد پانچ، سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب میں سے اخذ کئے گئے ہیں۔

آج کا جمعہ ایک تاریخی دن 23 مارچ کے روز آیا جس میں دو واقعات ایسے ہیں جو ہمارے دل کے نزدیک ہیں۔ ایک ہمارے ملک عزیز پاکستان کا 23 مارچ 1940ء لاہور میں دوقومی نظریہ کا پیش ہونا کہ ایک الگ ملک کا قیام ہونا چاہیے اور دوسرا ہماری جماعت کے حوالہ سے 23 مارچ 1889ء حضرت مسیح موعودؑ کا اللہ سے خبر پا کر بیعت کا سلسلہ شروع کرنا۔ سب سے پہلی بیعت مولانا نورالدین صاحب نے کی۔ کیونکہ ان کی یہ آرزو تھی کہ جب بیعت کی اجازت اللہ کی طرف سے آجائے تو پہلی بیعت ان کی لی جائے۔ مسیح موعود اللہ کی اجازت کے بغیر بیعت یا جماعتیں بنانے کے سلسلہ کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے لیکن جب الہامات ہو گئے تو 23 مارچ کو 129 سال پہلے 41 ممبران کی بیعت لی گئی اور یوں سلسلہ بیعت شروع ہو گیا۔

یہ دونوں تاریخی واقعات ہیں اور ہم دونوں میں پوری طرح شامل ہیں۔ گو کہ اس زمانہ میں لوگوں کا خیال جو کہ حقیقت کے برعکس ہے کہ احمدیوں نے پورا زور لگایا کہ پاکستان نہ بنے۔ یہ تاریخ کو مسخ کرنے والی بات ہے اور وہ لوگ کر رہے ہیں جنہوں نے خود اس کی مخالفت کی۔ ہماری جماعت قائداعظم کے پیچھے تھی اور جو دوقومی نظریہ تھا اس میں ہماری جماعت کا پورا تعاون ان کے ساتھ تھا اور اگر آپ پرانے لائٹ کے شمارے اٹھالیں تو جمعہ کے دن یکم ستمبر 1939ء اس ریزلیوشن کے پاس ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ مولانا یعقوب خان صاحب کے اداریہ ’’India's two nations‘‘ لکھا اور اس میں ایسے پختہ دلائل دئے گئے کہ جب قائداعظم محمد علی جناح صاحب سے اس وقت کے وائس رائے نے پوچھا کہ اس تحریک کا کیا جواز ہے؟ یہ تو میری سمجھ میں نہیں آتا تو قائداعظم صاحب نے لائٹ کا شمارہ اس کے ہاتھ میں دیا تو جب اس نے مولانا یعقوب خان صاحب کا اداریہ پڑھا تو اس نے کہا کہ اب میری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے۔ انشاء اللہ اس کی ٹرانسلیشن کروا کر پیغام صلح میں بھی شائع کریں گے تا کہ پتہ چلے کہ

ہماری جماعت کا اس معاملہ میں کیا سٹینڈ تھا۔

اب میں ان آیات کی طرف آتا ہوں جن میں یہودیوں اور عیسائیوں کے حوالہ سے مسلمانوں کو نصیحت کی جارہی ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت جب یہ قرآنی آیات نازل ہوئیں تو یہودیت اور عیسائیت اُس وقت کی دنیا کے اہم مذاہب تھے جو خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں مانتے تھے اور ایک بدلے ہوئے دین کے اوپر ان کا عمل تھا تو ان کا ذکر کر کے اصلی نصیحت قرآن کریم میں مسلمانوں کو دی، یاد رہے کہ گو یہ آیت اور قرآن کی متعدد آیات یہودیوں، عیسائیوں، دیگر مذاہب، منافقین، مشرکین، کافرین کو مخاطب کرتی ہیں لیکن مسلمانوں کو یہ نہ سمجھ لینا ہے کہ یہ ساری تو کسی اور کے متعلق ہیں۔ اس طرح تو قرآن کا بیشتر حصہ مسلمان تصور کر بیٹھیں گے کہ یہ کسی اور کو مخاطب ہے تو وہ اس سے نہ سبق حاصل کریں گے اور نہ فائدہ اٹھائیں گے۔

یہ جو عقیدہ تھا اس کا ذکر مسلمانوں کو بتانے کے لئے کیا کہ یہودی اور عیسائی یہ سمجھتے ہیں صرف وہی جنت میں جائیں گے۔ جس کا ذکر آیت نمبر 111 میں اور اس کے بعد والی آیت میں آیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ ایک کہتا ہے یہ کسی چیز پر نہیں دوسرا کہتا ہے یہ کسی چیز پر نہیں ہے۔ اس وقت کی قوموں کی مثال دی گئی مگر یہ جھگڑا جب سے دنیا بنی اور جب سے دین چلتا آرہا ہے جس نے جو قبول کیا اسی کو بہتر سمجھا اور دوسروں کو غلط اور انسان کی یہ فطرت ہے کہ جہاں پر اس کی نسل، خاندان، برادری، ذات، قوم آجائے تو اس کے اندر تکبر آجاتا ہے کہ میں اس قوم کا ہوں، اس خاندان کا ہوں حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے“ (الحجرات 13) خدا کے نزدیک متقی قریب ترین عزت کیے ہوئے لوگوں میں سے ہیں (الحجرات) لیکن یہ انسانی فطرت ہے کہ دوسرے کو حقیر جاننا اور اپنے آپ کو سب سے اچھا اور سچا جاننا اور اپنے مذہب کو سب سے اچھا قرار دینا۔ قرآن کریم نے تنبیہ کی کہ اس بات سے بچنا اس کتاب کے باوجود مسلمانوں سے بھی وہی غلطی سرزد ہوئی کہ فرقوں میں بھی بٹ گئے اور ہر فرقہ دوسرے فرقے کو کافر قرار دینے لگا۔ وہی چیز انہوں نے بھی کرنی شروع کی اور جو اس آیت کے نزول کا مقصد تھا اس سے بہت دور جا پڑے۔

یہ بات جو انسان کو حیران کر دیتی ہے کہ ایک ہی اللہ کو ماننے والے، ایک ہی رسول کو ماننے والے ایک ہی کتاب کو ماننے والے اور پھر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے بھی لگا رہے ہوں اور رسول کا نمونہ بھی بھول چکے ہوں ایک دوسرے کو اپنی اپنی مسجدوں سے بھی منع کر رہے ہوں۔ کیونکہ اگلی آیتوں میں آتا ہے: ”اور اس سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ اُن میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے“ (البقرہ: 14) حالانکہ اُن کے پاس رسول کریم صلعم کا نمونہ بھی ہے کہ آپؐ نے عیسائیوں کے وفد کو اپنی مسجد میں اجازت دے دی کہ وہ اُس میں عیسائی طرز پر رسومات ادا کریں۔ یہ نمونہ بھی بھول جائیں اور مسجدیں دھونے پر لگ جائیں کہ یہاں فلاں فرقے کا بندہ آ گیا۔ یا اس کو مار پیٹ کر باہر نکال دیں۔ یہ ظلم باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں سب چیزیں کھول کر بیان کر دیں لیکن مسلمانوں نے بدنصیبی سے عمل نہ کیا۔ یہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری برلن مسجد ہر ایک کے لئے کھلی ہے، کبھی کسی نے نہیں سنا کہ میں غلطی سے احمدیوں کی عبادت گاہ میں چلا گیا اور انہوں نے مجھے مار پیٹ کر باہر نکال دیا۔ اس میں ہر دین، ہر مذہب، ہر ملک کے لوگ آتے ہیں اور ان کے لئے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب جو اس زمانے کے مجدد ہیں انہوں نے نجات کسی مذہب سے وابستہ نہیں کی، انہوں نے فرمایا کہ نجات اس کو ملتی ہے جس کے دل میں اسلام ہے نہ صرف اسلام کا دعویٰ۔ اسلام کو دل سے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی نجات کا ذریعہ ہے مسلم کا لیبل لگا دینا نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

عدل احسان اور محسن کا مفہوم

عبادات میں ساری توجہ اللہ کی طرف ہو۔اس حدیث سے سب واقف ہیں کہ نماز ایسے ادا کرو کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو۔اگر یہ ممکن نہیں تو پھر کم از کم یہ تو محسوس کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔اس کو احسان کا درجہ دیا گیا ہے۔یہ ہم خطبہ ثانی میں پڑھتے ہیں **انا اللّٰہ یامر بالعدل والا حسان** یعنی ''اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے'' (النحل 90) اللہ کا حکم کوئی چھوٹی چیز نہیں ہے، یہاں پر کسی عدالت کی طرف سے نوٹس آ جائے تو اس کو بہت بڑی چیز سمجھی جاتی ہے۔اللہ کی طرف سے جو حکم آتا ہے اُس کا ماننا سب پر فرض ہو جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے عدل کرو، احسان کرو۔اس لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ احسان اور عدل مختلف چیزیں ہیں۔عدل تو یہ ہے کہ جتنا آپ کو دیا جائے اُتنا آپ واپس کرو لیکن احسان اس سے بڑھ کر درجہ ہے جتنا دیا ہے اس سے بڑھ کر واپس دو اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے یہ کیفیت یوں بیان کی ہے کہ جب نماز پڑھی جائے تو آپ کو یہ احساس ہو کہ اس وقت اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور اس کے آگے کھڑا ہوں۔اپنے خالق، اپنے مالک کے آگے کھڑا ہوں اور اُس کی عبادت کر رہا ہوں اور اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم یہ تصور ہو کہ وہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔۔اگر کوئی سمجھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو وہ کیونکہ اپنے دھیان کو بھٹکنے دے گا۔اگر کسی کو یہ درجہ حاصل ہوتا ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ احسان کا درجہ پا گیا ہے اور ایسے انسان کو محسن کہتے ہیں کیونکہ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ''محسن وہ ہوگا جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنائے اور یوں احسان کرنے والا محسن بنا'' اس حالت کو پہنچ گیا جہاں خدا کو اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ پاتا ہے اور یہی راہ نجات ہے اور اس کے لئے انسان کو تگ و دو کرنی پڑتی ہے اسی کے لئے اھدنا الصراط المستقیم کی دعائیں کی جاتی ہیں۔اس کے لئے انسان کو استقامت کے ساتھ لگے رہنا پڑتا ہے۔کیونکہ یہ ایسا کام نہیں کہ وہ فیصلہ کر لے۔کہ آج سے میں خدا کو دیکھنے لگوں گا۔اس کے لئے استقامت سے لگے رہو تا کہ وہ راہ پاؤ جس پر چل کر محسن کا مقام حاصل کر لو اور حضرت صاحب کے فرمان کے مطابق نجات اسی کو ملتی ہے جو اپنا سارا وجود اللہ کی راہ میں سونپ دے۔یہ کوئی پارٹ ٹائم نوکری نہیں ہے۔اس پر سالک کا مرنا اور جینا اور اس کے تمام اعمال خدا کے لئے ہو جانے ہوتے ہیں اسی لئے نماز سے پہلے نیت کی جاتی ہے کہ میری نمازیں، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا تمام اللہ کے لئے ہے تو یہی حالت ہر انسان کو حاصل کرنی ہے اور اپنے نفس سے بالکل علیحدہ ہو جانا ہے اور خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے۔

ان مقاصد کو حاصل کرنا ہو تو دل میں صرف ارادہ ہی نہ رہے کہ میں نے نماز ادا کرنی ہے بلکہ اس میں کوشش ہو کہ ہر چیز، تمام طاقتیں، تمام عقل اور فکر اسی کی طرف لگ جائے تو پھر انسان محسن بنتا ہے۔اور یہ فرمانبرداری کی ایک حد ہے۔وہ شخص ہی مسلمان بن سکتا ہے جس پر اسلام کے دو معنی لاگو ہوں۔اسلام س۔ل۔م سے اخذ ہے اور اس کے ایک معنی تو امن یا سلامتی کے ہیں۔اگر ہر ایک کو مسلمان سے امن ملے تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کسی تخریب کاری کی طرف اس کا خیال جائے۔دوسرے معنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ہیں۔س۔ل۔م کا لفظ عربی میں اونٹ کے ناک میں جو رسی ڈالی جائے اسے کہتے ہیں یہ رسی جس کے ہاتھ میں بھی ہو اونٹ کو وہ جہاں چاہے لے جائے۔مسلمانوں کو اس اونٹ کی سی حالت اختیار کرنی چاہیے۔جس کی رسی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہو کہ وہ ہمیں جدھر لے جائے ہم اُس رضا پر چلیں تو ہی ہم صحیح اسلام پر ہوں گے۔سب سے بڑی دُعا جس پر حضرت صاحب نے زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہم سے راضی ہو جا، اپنی رضا عطا فرما دے۔انسان اپنی زندگی یوں بسر کرے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے یہ اس کی امانت ہے اور وہ اپنی زندگی یوں بسر کرے کہ اس امانت کو پوری طرح لٹا سکے۔اس میں سستی نہ

کرے۔ حضرت صاحب نے اس کو فرمایا ہے کہ اپنی ساری زندگی اللہ کے اور اسلام کے لئے وقف کردو۔ اب انسان کے دماغ میں یہ گزرے کہ اسلام کے لئے وقف کرنا یہی ہے کہ دنیاداری چھوڑ کر ایک کونے میں تسبیح لے کر بیٹھ جائے۔ اللہ نے عبادات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ ان دونوں پر عمل کریں گے تو پھر ہم اسلام کی راہ پر ہوں گے۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود مانیں یعنی عبادت کے قابل مانیں۔ اُسی کو مقصود مانیں یعنی مقصد حیات مانیں کہ ہر ایک چیز جو انسان کو عزیز ہے اس سے عزیز تر خدا کو مانیں۔ دوسری اپنی زندگی کی ہر چیز بندوں کی خدمت اور ہمدردی میں وقف کردیں اور ان دونوں چیزوں کا جب توازن ہو تو عدل کہلائے گا۔ یوں عدل صرف ایک چیز کے بدلے اسی کے برابر چیز دینے کو کہیں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنی جانوں پر بھی عدل کرو۔ اسی لئے ہر ایک کے ساتھ سچی غم خواری کرنا اور دوسروں کی خوشی کے لئے دُکھ برداشت کرنا اور دوسروں کے لئے اگر رنج آجائے اسکو گوارا کرنا اور خدا تعالیٰ کی مکمل عزت اور اُس کی بڑائی اور وحدانیت کو قائم رکھنے والی زندگی بسر کرنا عدل کہلائے گا۔

قدرتی طور پر دل خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں کوئی ذلت نہ کردے لیکن یہ وہ مقام ہے جس کے لئے ہم کوشش کررہے ہیں کہ بے عزتی اور ذلت قبول کرنے کیلئے اللہ کی راہ میں ہم کمربستہ رہیں۔ ہمیں کوئی چھوٹی سی گالی دے دے تو ہم حساس ہو جاتے ہیں اور حضرت صاحب کے گھر میں گالیوں سے بھری چھٹیوں کی بوریاں بھری ہوتی تھیں۔ آپ فرماتے ہیں:

’’گالیاں سن کر دعا دو‘‘

اگر آج احمدیت کے حوالہ سے کوئی گالی دے دے تو اس کو دعا دو کہ اگر وہ اتنا گر چکا ہے کہ وہ ایسے الفاظ لکھنے یا کہنے پر مجبور ہے تو اللہ اسے ہدایت دے۔ بے عزتی اور ذلت قبول کرنے کی ہمیں نصیحت ہے اور یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے اوپر ہزاروں موتیں قبول کرلیں۔ کوئی چوٹ نہ لگ جائے، کوئی کچھ کہہ نہ جائے، خوف ہے۔ انسان کے لئے قدرتی بات ہے کہ کوئی دھمکی دے تو خوف آئے گا۔ لیکن جو بھی ہوجائے فرمانبرداری کو نہیں چھوڑنا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک ہاتھ کے لئے ضروری ہوجائے کہ وہ دوسرے ہاتھ کو کاٹ دے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں اپنا دوسرا ہاتھ بھی قربان کرنے کو تیار ہوجاؤ۔ اور ایسی حالت انسان پالے کہ اس کو گناہ سے نفرت ہوجائے اور اس کو وہ ایسی جانے کہ جیسے وہ آگ ہے جسے وہ کھا رہا ہے جہاں کہیں گناہ ہو اُس کو اتنی نفرت کرے کہ میرے منہ میں کوئی آگ ڈال رہا ہے یا کوئی ایسی زہر ڈال رہا ہے جو اسے مار ڈالے گی یا راکھ راکھ کردے گی۔ اگر بجلی کا پتہ ہے اس کو ہاتھ لگانے سے وہ بھسم ہوجائے گا تو پھر کوئی کیوں اس کو ہاتھ لگائے گا۔ تو یہ حالت دل میں ہو کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اس کے لئے موت ہے تو پھر انسان کے لئے لازم آتا ہے کہ وہ اس سے بھاگتا پھرے گا۔

آگے میں تشریح حضرت صاحب کی کتب کی روشنی میں اس آیت کی کرتا ہوں۔ بلٰی من اسلمه وجهه للّٰه ۔۔۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: ’’ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے‘‘۔

(البقرہ 112)

اس آیت میں لفظ اسلم، محسن اور ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون آتا ہے جب اسلم اور محسن کے درجات حاصل ہوجائیں تو خوف اور غم دونوں انسان کے دل سے نکل جاتے ہیں۔

اس آیت کو حضرت صاحبؒ نے تصوف یعنی کہ علم معرفت جس سے اللہ تعالیٰ ملتا ہے اور اس کی معرفت ملتی ہے اس کی روشنی میں تشریح کی ہے۔ ہم جب تصوف کی بات کرتے ہیں تو ہم صرف سمجھتے ہیں کہ تصوف سے صرف صوفی ہی فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن یہ طریقہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا سب کے لئے یکساں ہے اور صرف صوفیوں کا کام نہیں رہ گیا۔ بڑے بڑے جاہل صوفی کے

نام سے اپنے آپ کوموسوم کرتے ہیں۔ جیسے جاہل ڈاکٹری کرے تو ڈاکٹری پیشہ بدنام کرسکتا ہے اس طرح تصوف بھی بدنام ہو جاتا ہے۔ یہ سب کے لئے طریقہ ہے اور ایک مجدد کا کام ہے کہ وہ اس کی طرف رہنمائی کرے۔

غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب ایک شاندار قسم کے صوفی تھے اگر وہ دعویٰ مسیح موعود نہ کردیتے تو شاید اس وقت سب سے شاندار صوفی مانے جاتے لیکن جب ان کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو اُن کو صوفی عزم تو نہیں کہیں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ ان کا علم معرفت الٰہی کا ایک بے انتہاء اونچے مقام پر تھا۔ انہوں نے یہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے پا کر ہم تک پہنچائیں۔ وہ علم معرفت کے درجوں یعنی فنا، بقا اور لقا کو اس آیت کی روشنی میں بہت سہل طریقہ سے سمجھاتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے فنا، بقا اور لقا کی تشریح قرآنی سورۃ البقرہ کی روشنی میں کی

حضرت صاحب فرماتے ہیں: **اسلم وجهه لله** اس میں حکم ہے کہ تمام قویٰ اور اعضاء جو کچھ اپنا ہے اس کو خدا کی امانت سمجھو اور اس کو سونپ دو۔'' یہ دوسرے لفظوں میں فنا ہے اور کیونکہ انسان اپنی تمام نفسانی خواہشات سے بکلی باز آجاتا ہے اور اپنے اوپر ایک قسم کی موت وارد کر دیتا ہے۔ حضرت صاحب نے اپنی کتب میں بار ہا لکھا ہے کہ اپنے اوپر موت وارد کرو کہ وہ زندگی ہے اور یہی فنا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فلاں تو فلاں کے عشق میں فنا ہو گیا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو فنا کرنا ہے اور اپنے اوپر موت وارد کرنی ہے اور فنا کا مطلب ہی یہی ہے موت یا ہلاکت۔ اس موت کو اور ہلاکت کو اپنے اوپر لے کر آنا ہے اور اُس خاک میں ملنا ہے جہاں پر ہمارا تمام غرور مٹ جائے ہمارے تکبر ختم ہو جائیں ہم اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے آپ کو مٹی میں رونڈ ڈالیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہے:

جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا

تو ہمیں اپنے اوپر یہ خاک، یہ ذلت، یہ موت لانی ضروری ہے یہ فنا لانا ضروری ہے اس میں ہمارے لئے انہوں نے لکھا ہے کہ ہم یہ نمونہ اپنائیں اسے ہم صوفی خیالات سمجھ کر یوں نہ کہیں کہ ہم تو احمدی ہیں ہم یہ نہیں کریں گے ہم تو فنا میں نہیں جائیں گے بلکہ ہمیں بھی اپنے آپ کو فنا کر کے اللہ کو پانا ہے۔ **اور هوا محسن** جو اس آیت میں آتا ہے جب تمام نفسانی حالتوں پر موت وارد ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت جوش میں آتی ہے اور وہ آپ کو پھر سے حرکت دیتا ہے اور اس مردہ جان کو ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے جس کو لقا کہا جاتا ہے اس کے بعد جو مقام ملتا ہے وہ لقا کا مرحلہ ہے اور لقا کا لفظی مطلب ہے، دیدار یا ملاقات یا کسی کا چہرہ نظر آجانا۔ اگر ہم نمازوں میں اپنے اوپر موت وارد کریں تو پھر ہمیں اللہ کا چہرہ نظر آتا ہے اگر ہم نمازوں میں کھڑے ہو کر اپنے کاروبار اور گمشدہ چیزوں کی کھوج لگائیں تو پھر وہ نماز قائم نہیں ہو رہی ہوتی بس پڑھی جا رہی ہوتی ہے تو یہ مرتبہ تب ملتا ہے کہ پہلے موت آئے اور پھر اللہ تعالیٰ دیکھے کہ اس نے اپنے نفسانی خواہشات کو ختم کر دیا ہے اور اپنے اوپر موت وارد کر دی ہے جیسے حضرت صاحب فرماتے ہیں:

''میرا دل جل کر سیخ کباب ہو گیا''

دل کو اتنا جلائیں کہ جل کر کباب بن جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس میں جو نئی زندگی ڈالے تو وہ اگلے مرحلہ کا پانا ہے اور وہ ہے **ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون** **کا مرحلہ۔ اس کو بقا کا مرحلہ کہتے ہیں۔** کیونکہ جس وقت انسان کو خدا شناسائی ہو جاتی ہے تو پھر اس کا توکل بڑھ جاتا ہے اور اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور اس کے اندر جو اللہ کے تصورات ہیں وہ روحانی زندگی کے باعث آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو پھر اس کے اندر **ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون** جس نے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر لیا اس کے اندر خوف کیسا؟ اس کے اندر غم کیسا؟ اور لوگوں کا خوف اس کے دل میں سے نکل جاتا ہے۔ وہ بھی سٹیج آجاتی ہے کہ **لا تحزن ان الله معنا** ''غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے'' (التوبہ 40)۔ اُوپر دشمن بھی کھڑا ہو تو وہ کہتا ہے کہ

فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے جب اللہ کا مشاہدہ ہو جائے اور وہ بقا مل جائے تو پھر بقا کا مطلب ہے ہمیشگی یا پائیداری یا زندہ رہنا۔ وہ نئی زندگی ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی تو یہی تو زندگی کا مقصد تھا جو اس کو اللہ تعالیٰ نے دے دیا اور اسی لئے اللہ کا فرمان ہے جو اللہ کی راہ میں مریں انہیں مردہ نہ کہو۔

حضرت صاحب نے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ ایک زبان کا قول ہے۔ اس کو عملی شکل میں بدلنا ہے۔ لا الہ الا اللہ کی عملی شکل بلٰی من اسلمہ وجھہ للّٰہ وھو محسن ہے جو ان مرحلوں سے گزرتا ہے وہ لا الہ الا اللہ کو عملی شکل دے دیتا ہے اور من اسلم وجھہ للّٰہ میں سکھایا ہے کہ توحید پر سچے اور زندہ ایمان کا ثبوت لاؤ، اپنے فعل سے اس کو ثابت کرو اور اپنی گردن اس کی راہ میں ڈالنے کو تیار ہو جاؤ۔

یہ سب درجات جن کی تشریح سے اس آیت میں انسان کو رہنمائی مل جاتی ہے اور عمل سے گزر کر ہم وہاں پہنچتے ہیں جہاں پہنچنا اسلام کا صحیح مقصد ہے جو اس جماعت کو بنانے کا بھی صحیح مقصد تھا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ میرے پاس کچھ دن گزارو میں تمہیں خدا کا مشاہدہ کرا دوں گا۔ تو جن لوگوں نے ان کی اس بات اور اس نصیحت کو سنا انہوں نے خدا کا مشاہدہ کر لیا۔ ہم بھی ان مرحلوں سے آج گزر کر اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔''

خطبہ کے آخر میں واپس ہم اس طرف لوٹتے ہیں کہ آج کا دن پاکستان ڈے ہے۔ پاکستان حاصل کرنے میں ہمارا کیا مقصد تھا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جس کی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ **پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ تو لا الہ الا اللہ** کہنا تو بڑا اچھا لگتا ہے۔ کیا اس لا الہ الا اللہ کو عملی بھی بنانا ہے؟ محسن بننا ہے؟ تو آج کے دن جائزہ لیں کہ کیا ہم عملاً لا الہ الا اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ آج ہماری بیعت سلسلہ کا بھی تاریخی دن ہے۔ آج ہم یہ بھی سوچیں کہ کیا ہم اس عہد کو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آپ کے عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔ ہم اس قابل ہیں کہ ہم اللہ کے آگے کھڑے ہوں اور کہہ سکیں کہ ہم نے ایک عہد لیا تھا لا الہ الا اللہ اور پھر اس زمانے کے امام کی بیعت کی تھی اس پر ہم قائم رہے تو آج کے جمعۃ المبارک ہم حالیہ حالت پر ایک نظر ڈالیں اور اپنے اپنے دل کی حالتیں دیکھیں اور پھر تہیہ کریں کہ ہم مسیح الزماں کے بتائے ہوئے راستوں کو اپنا کر اس منزل تک انشاء اللہ پہنچیں گے جہاں ہم بھی اپنے بزرگوں کی طرح اپنے خدا کو پائیں اور اس مقام کو پائیں جہاں پر ہم اللہ کو دیکھنے والے، اپنے اوپر موت وارد کرنے والے، دوبارہ زندگی پانے والے اور اس کا مشاہدہ کرنے والوں میں سے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ختم نبوت کا مفہوم

تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گزر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔

تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اس کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں تھی اس لئے **اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔**

(الوصیت، ص۱۲)

مدعی نبوت کافر ہے

ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا چاہتا ہے تو وہ ملحد و بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی کلمہ بنائے گا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیر و تبدل کر دے گا پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں۔

(انجام آتھم، ص ۲۷۔۲۸ حاشیہ)

دوسری قسط

قرآن مجید میں انبیاءؑ کے حالات

اِن کے ذکر میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے(111:12)

حضرت امیر مولانا محمد علیؒ مرحوم ومغفور

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت قسم کھائی کہ اگر اُن کے پاس نذیر آیا تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ راہ پانے والے ہوں گے۔ مگر جب ان کے پاس نذیر آیا تو اس کے آنے سے انہوں نے صرف بیزاری اور نفرت میں ترقی کی۔ یہ سب اس لیے کہ انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور بری تدبیریں کیں۔ اور بری تدبیریں تو صرف کرنے والے کو گھیرتی ہیں۔ پس یہ لوگ صرف اسی سلوک کا انتظار کرتے ہیں جو پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا۔ اور خدا کی اس سنت میں جو نبیوں کے دشمنوں کے متعلق ہے تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور خدا تعالیٰ کی سنت نہیں ٹلے گی۔ کیا تیرے دشمنوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ جو قومیں اُن سے پہلے گزری ہیں (یعنی جنھوں نے ان کی طرح نبیوں سے عداوت کی) ان کا کیا انجام ہوا اور وہ ان سے (یعنی آنحضرتؐ کے دشمنوں سے) طاقت اور قوت میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور کوئی چیز نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں جو اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدرت بھی رکھتا ہے۔''

(44-42:35)

''یہ ہیں بعض خبریں بستیوں کی جو ہم تیرے پاس بیان کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے ابھی موجود ہیں اور بعض بالکل جڑھ سے کاٹی گئیں اور ان کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں...... تیرا رب جب ظالم بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اسی طرح پکڑتا ہے۔ اس کا پکڑنا بڑا دردناک اور سخت ہے۔ اس میں نشان ہے ایسے شخص کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔''(103-100:11)

''جیسا تجھ پر تیرے دشمن ہنسی کرتے ہیں ایسا ہی تجھ سے پہلے بھی رسولوں پر ہنسی کی گئی ہے۔ ہم نے منکروں کو ایک عرصہ تک مہلت دی اس کے بعد میں نے اُن کو پکڑا اور میرا عذاب کیسا سخت تھا۔''(32:13)

''کیا یہ (تیرے مخالف) اچھے ہیں یا قوم تبع اور قومیں جو ان سے پہلے گذری ہیں۔ ہم نے ان کو ہلاک کیا تحقیق وہ مجرم لوگ تھے۔'' (37:44)

''اور بہت بستیاں ہیں جو تیری اس بستی سے، جس نے تجھے نکالا زیادہ طاقتور تھیں، ہم نے ان کو ہلاک کیا اور کوئی ان کی مدد نہ کر سکا۔''(13:47)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرتے ہیں وہ ہلاک کئے جائیں گے۔ جیسا کہ وہ قومیں ہلاک کی گئیں جو ان سے پہلے تھیں اور کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''(5:58)

''کیا انہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ قومیں۔ ان سے پہلے گزریں ان کا کیا انجام ہوا۔ وہ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو پھاڑا اور مکہ والوں کی نسبت زیادہ زمین کو آباد کیا اور ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر بدی کرنے والوں کا انجام بُرا ہوا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی تکذیب کی اور وہ ان پر ہنسی کیا کرتے تھے۔''(10-9:30)

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات کافی طور سے اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں گذشتہ انبیاءؑ اور ان کی قوموں کے حالات کس غرض سے بیان کئے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایک ایسا ہی نذیر ہے جیسا کہ اس سے پہلے دنیا میں نذیر آئے۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنے پاک بندوں کو ان

کے ستانے والوں پر فتح مبین عطا فرماتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔ اور چونکہ یہ نبیؐ بھی ایک سچا نبی ہے۔ اس کے دشمنوں سے بھی وہی برتاؤ کیا جائے گا جو پہلے نبیوںؑ کے دشمنوں سے برتاؤ کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **''جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں وہی نیچا دیکھیں گے۔ خدا تعالیٰ نے یہ بات لکھ رکھی ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے۔''** (58:20-21)

اسی قانون کی تشریح کے لئے قرآن مجید میں انبیاءؑ اور ان کی قوموں کے حالات کثرت سے بار بار بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان حالات کے بیان کرنے کی غرض خود انہی حالات میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ اور جب ہم ان حالات کو پڑھتے ہیں تو یہ امر صاف طور پر کھل جاتا ہے کہ ان حالات کے بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ ایک قصہ ہمیں سنائے بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ سننے والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے میں بعض انبیاءؑ کے حالات کو، جو قرآن شریف میں بیان کئے گئے ہیں، بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حالات: پہلے میں حضرت نوحؑ کے حالات پیش کرتا ہوں۔ قارئین اس عظیم الشان نبی کے حالات کو سورہ یونس میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سورہ شریفہ میں آپ کے حالات ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتے ہیں **واتل علیھم نبانوح** (10:71) یعنی ''ان لوگوں کو نوح (علیہ السلام) کی خبر پڑھ کر سناؤ''۔ خود یہی لفظ، جن کے ساتھ حضرت نوحؑ کے بیان کو شروع کیا گیا ہے، صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ اس بیان سے بیان کرنے والے کی غرض کیا ہے۔ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کرتا ہے کہ تم اپنی قوم کو حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کا حال سناؤ۔ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس بیان میں آپ کی قوم کے لئے ایک عبرت اور ایک سبق ہے۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ کے وہ الفاظ درج ہیں جو آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمائے۔

''اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا اور میرا اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا تمہیں دوبھر معلوم ہوتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ پس تم اپنے کام کو مقرر کر لو اور اپنے شرکاء کو جمع کرو پھر تمہاری بات تم پر پوشیدہ نہ رہے۔ پھر تم مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو۔'' (10:71)

کیا قارئین یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف کہانی کے الفاظ ہیں۔ یہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا بلکہ یہ آپ کے ذاتی واقعات تھے جو آپ نے اپنی قوم کو سنائے۔ اور اس لئے جو کچھ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سنایا، وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے سنایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح آپ نے اپنی قوم کو کہا کہ میرا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہے۔ تم اپنی تدبیروں کو جمع کرو اور اپنے سب معبودوں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلاؤ اور اپنے شرکاء کو بھی اکٹھا کرو۔ اور چھپ کر میری دشمنی نہ کرو۔ بلکہ کھلم کھلا زور لگاؤ۔ اور سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو۔ ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو کھلا کھلا چیلنج دیا کہ میرے تباہ کرنے کے لئے تم جتنا زور لگا سکتے ہو لگاؤ اور میرے سلسلہ کی بیخکنی کے لئے تم کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو۔ میرا خدا میری مدد کرے گا اور بجائے اس کے کہ تم مجھے تباہ کر سکو خود تباہ کئے جاؤ گے۔ جیسا کہ نوحؑ کی قوم تم سے پہلے تباہ کی گئی۔ اس کے بعد قرآن شریف یہ بیان کرنے کے بعد، کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے نوحؑ کو بچایا اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کیا، اس بیان کو ان پُر معنی الفاظ میں ختم کرتا ہے۔ **فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین.** (10:73) پس دیکھ کہ ان لوگوں کا جن کو پہلے ڈرایا گیا تھا کیسا انجام ہوا۔ حضرت نوحؑ کے قصہ کو ان الفاظ پر ختم کرنے سے صاف یہ غرض ہے کہ جیسا حضرت نوحؑ کے مخالفوں کا انجام ہلاکت ہوا، ایسا ہی اس وقت کے مخالفین کا حال ہوگا۔ بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں۔

سورہ ہود میں خدا تعالیٰ ان الفاظ کو نقل کرتا ہے جو حضرت نوحؑ کی قوم نے آپ کو کہے اور وہ الفاظ یہ ہیں **''حضرت نوحؑ کی قوم کے انکار کرنے والے سرداروں نے حضرت نوح کو کہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو صرف ہمارے جیسا ایک انسان ہے اور تیرے تابعدار بھی ہم میں نہایت ہی چھوٹے درجہ کے لوگ ہیں**

اور ہم تم میں کوئی فضیلت کی بات نہیں دیکھتے۔ بلکہ ہم تمہیں کاذب خیال کرتے ہیں۔'' (27:11) مگر حضرت نوحؑ کی قوم کے منکر سرداروں کی طرح قریش کے متکبر سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے بارہ میں اسی قسم کے الفاظ کہا کرتے تھے۔ اور اس لئے حضرت نوحؑ کے قصہ میں ان کے لئے ایک عبرت اور ایک پیشگوئی تھی۔ حضرت نوحؑ اور آپ کے اتباع کو آپ کی قوم کے منکر سردار کمزور سمجھتے تھے اور نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے کمزور اتباع کی نصرت فرمائی اور ان کے مغرور دشمنوں کو ہلاک کیا اور خدا تعالیٰ حضرت نوحؑ اور آپ کے متکبر دشمنوں کا یہ قصہ مکہ کے سرکش سرداروں کو سنا کر یہ بتلاتا ہے کہ یہی حال تمہارا ہوگا۔ اس سورہ یعنی سورہ ہود میں بھی جن الفاظ کے ساتھ حضرت نوحؑ کا قصہ ختم ہوتا ہے، وہ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ اس قصہ کو ختم کر کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ نہ تجھے معلوم تھیں اور نہ تیری قوم کو۔ پس تو صبر کر اور اس بات پر یقین رکھ کہ انجام متقیوں کے لئے ہے۔'' (49:11)

حضرت نوحؑ کے قصہ کو انبآء الغیب کیوں کہا گیا؟! اس کو غیب کی خبر اس لئے نہیں کہا گیا کہ طوفان نوح کی خبر کبھی پہلے کسی کو معلوم نہ تھی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ آپ کی قوم سے کسی فرد کو۔ بلکہ اس قصہ کو اس لئے انباء الغیب کہا گیا ہے کہ اس میں آپ کے اور آپ کی قوم کے آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو ان غیب کی خبروں کو پہلے نہیں جانتا تھا اور نہ تیری قوم ان خبروں کو پہلے جانتی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو اور آپ کے زمانہ کے لوگوں کو طوفان نوح وغیرہ کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن آنے والے واقعات کی اس قصہ کے ذریعہ خبر دی گئی ہے ان کی خبر نہ تجھے پہلے تھی اور تیری قوم کو۔ مکہ کے سردار نہیں جانتے تھے کہ ہمارے لئے بدر کے میدان میں غرق ہونا مقدر ہے۔ جب حضرت نوحؑ اور آپ کی قوم کا ماجرا ان کو سنایا گیا تو اس وقت اُن کو اپنی طاقت کا اس قدر گھمنڈ تھا کہ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ امر نہیں آسکتا کہ ہمارا انجام ہلاکت ہے اور وہ مسلمانوں کی ضعفاء کی جماعت کو، جو ان کے شہر کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے سامنے تیار کر رہا تھا، ایسی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے واہمہ میں بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ انہی ضعفاء کے ہاتھوں سے وہ نابود کئے جاویں گے۔ جیسا حضرت نوحؑ کی قوم ان کی کشتی کو دیکھ کر ہنستی تھی۔ ایسے ہی مکہ کے صنادید اس چھوٹی سی اسلامی جماعت کو دیکھ کر ہنستے تھے اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہی کشتی اسلام کی نجات کا ذریعہ ٹھہرے گی اور اسی کشتی کے سامنے وہ صنادید خشک بیابان میں غرق ہوں گے، یہ عجیب وغریب خبریں تھیں جو حضرت نوحؑ کے قصہ میں ان کو پیش از وقت سنائی گئی تھیں اور انہی کا نام اَنۡبَآءُ الۡغَیۡبِ رکھا گیا۔ کیونکہ یہ واقعات ابھی غیب کے پردہ میں مخفی تھے، اسی لئے تو قرآن شریف حضرت نوحؑ کے قصہ کو ختم کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے **فاصبر ان العاقبة للمتقین** (49:11) ''پس صبر کر اور یقیناً یاد رکھو کہ انجام متقیوں کے لئے ہے۔'' ان الفاظ سے خدا تعالیٰ اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جیسا نوحؑ اور ان کی قوم کا حال ہوا ویسا ہی اب ہوگا۔ پس تم مت گھبراؤ اور دشمن کی طاقت اور ان کی تعدیوں کو دیکھ کر حوصلہ نہ ہارو۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں متقیوں کا گروہ آخر کار کامیاب ہوا اور ان کے دشمن غرق کئے گئے، ایسا ہی اب بھی خدا تعالیٰ متقیوں کی جماعت کی مدد کرے گا اور ان کے دشمنوں کا نام ونشان مٹا دے گا۔ غرض قرآن شریف کے پڑھنے سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا قصہ قرآن شریف میں صرف کہانی کے طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس میں آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جیسا نوحؑ کے زمانہ میں آپ کے دشمن ہلاک ہوئے، ایسا ہی اب بھی شہر مکہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کامیاب ہوگا اور اس کے دشمن صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے قصہ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ تِلۡکَ مِنۡ اَنۡبَآءِ الۡغَیۡبِ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں اور پھر سورہ مومنوں میں اسی قصہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ **ان فی ذلک لایات** (30:23) یعنی اس میں نشانات ہیں۔ (قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 15 اکتوبر 1942ء)۔ (جاری ہے)

فلسفہ جہاد اور حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانیؒ

ملک بشیر اللہ خان راسخ (راولپنڈی)

حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانیؒ کی ذات پر ان کے مخالفین نے ہمیشہ عدل کی راہ کو چھوڑتے ہوئے الزامات کی بوچھاڑ کرنے کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا ہے۔ حضرت مرزا صاحب مجدد صد چہاردہم کی ذات، ان کے دعوؤں اور ان کے بیان کردہ فلسفہ کو ہمیشہ غلط رنگ میں پیش کر کے لوگوں کو آپ سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور بدستور مخالفانہ جملے غیر اخلاقی لب ولہجہ، زبانی وتحریری بڑے زور وشور سے جاری وساری ہے۔ آپ کے اوپر جو مختلف الزامات لگائے جاتے ہیں ان میں ایک الزام اور دھبہ یہ بھی ہے کہ آپ قرآن کے حکم جہاد کے منکر ہیں اور آپ نے جہاد کو بکلی منسوخ قرار دے دیا ہے۔ اپنے اس مضمون میں میں نے بزرگان اُمت اور خود حضرت مرزا صاحب کے علم الکلام سے اس الزام کو دُور کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت صاحب نے 22 مئی 1900ء کو ایک رسالہ ''گورنمنٹ انگریزی اور جہاد'' کے عنوان سے لکھ کر شائع کیا۔ اس رسالہ کو لکھنے کے پیچھے چند محرکات تھے جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس رسالہ میں آپ نے بڑے احسن انداز میں حقیقت جہاد اور اس کی فلاسفی پر روشنی ڈالی ہے اور قرآن و حدیث کے علاوہ تاریخ سے بھی جہاد کی اصل حقیقت کو واضح کیا ہے۔ اس کتاب میں آپ کا موقف ہے کہ اوائل اسلام میں مسلمانوں کو بحالت مجبوری جو جنگیں کرنی پڑیں وہ محض وقتی اور مدافعانہ اور مذہبی آزادی قائم کرنے کے لئے تھیں ورنہ اسلام سے بڑھ کر صلح وآشتی اور امن وسلامتی کا علمبردار اور کوئی مذہب نہیں ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس رسالہ کے علاوہ بھی اپنی متعدد تالیفات میں جہاد کے مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جس مشن کو لے کر اُٹھے تھے وہ ادیان عالم پر دلائل و براہین کی رُو سے اتمام حجت اور اسلام کا غلبہ ثابت کرنا تھا اور مغربی فلاسفوں اور مستشرقین علماء کا جواب دینا تھا جن کا سب سے بڑا اعتراض اسلام پر یہ تھا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور یہ ایک جبر واکراہ رکھنے والا دین ہے جو زور زبردستی اپنی بات کو منوانا جائز سمجھتا ہے جیسا کہ پادری میلکم میکال لندن کے انگریزی رسالہ ''The twentieth centaury'' دسمبر 1877ء کے صفحہ 832 پر لکھتا ہے:

''قرآن دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۱) دار السلام یعنی اسلام کا ملک (۲) دار الحرب یعنی دشمن کا ملک۔

جو لوگ مسلمان نہیں ہیں وہ سب اسلام کے مخالف ہیں لہذا سچے مسلمان کا فرض ہے کہ کفار کے خلاف جنگ کرے یہاں تک کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لے یا قتل ہو جائیں جس کو جہاد یا جنگ مقدس کہا جاتا ہے۔ جس کا خاتمہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے یا تو دنیا کے کفار سب کے سب اسلام قبول کر لیں یا ان کا ہر ایک آدمی مارا جائے پس خلیفہ اسلام کا مقدس فریضہ ہے کہ جب موقع ملے غیر مسلم دنیا سے جہاد کیا جائے''

سرولیم میور اپنی کتاب ''Life of Mohammad'' کے صفحہ نمبر 533-534 مطبوعہ لندن 1877 میں لکھتا ہے: ''مدینہ پہنچ کر طاقت حاصل کر لینے کے بعد مذہبی مزاحمت نے آزادی کی جگہ اور زبردستی نے

ترغیب کی جگہ لے لی اور اسلام کا امتیازی نشان اب یہ کلمہ ہو گیا کہ ''جہاں پاؤ کافروں کو قتل کرو''

میجر آسبرن اپنی کتاب "Islam under the Arab Rule" میں جہاد کے زیر عنوان صفحہ نمبر 46 پر لکھتا ہے: ''جب آپ کو تکلیفیں دی جاتی تھیں اس وقت جو اصول آپ نے تجویز کیے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہونی چاہیے۔۔۔مگر کامیابی کے نشہ نے آپ کے بہتر خیالات کی آواز کو بہت عرصہ پہلے ہی خاموش کرا دیا تھا۔ انہوں نے جنگ کا ایک عام فرمان کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اہل عرب نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر جلتے ہوئے شہروں کے شعلوں اور تباہ و برباد شدہ خاندانوں کی چیخ و پکار کو اپنے دین کی اشاعت کا ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعے دین کی اشاعت کی''۔

چونکہ مغرب نے مسئلہ جہاد کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے اسلام کی صورت سخت بھیانک رنگ میں پیش کی تھی اس لئے حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہمؒ نے اس مسئلہ جہاد کی اصل حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی تا کہ اسلام کے ماتھے سے جبر و اکراہ کے داغ کو صاف کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں کئی ایک، دوسری وجوہ بھی تھیں جس کی وجہ سے آپ کو اُس مسئلہ کو صاف کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ جات میں مجددیت، محدثیت، مسیح موعود اور مہدی معہود کے دعویٰ جات شامل تھے اور مسلمان علماء کرام کا یہ خیال تھا کہ جب مسیح اور مہدی ظاہر ہوں گے تو وہ کافروں سے جنگ کریں گے اور وہ بزور شمشیر اسلام کی اشاعت کریں گے جیسا کہ امام نوویؒ حدیث یضع الجزیۃ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یعنی رسول اللہ صلعم کا یہ فرمان کہ حضرت عیسیٰ جزیہ کو موقوف کر دیں گے اس کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ وہ جزیہ قبول نہیں کریں گے اور کفار سے صرف ان کا اسلام لانا قبول کریں گے اور اُن میں سے اپنے آپ کو جو جزیہ دے کر چھڑانا چاہے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا بلکہ مسیح علیہ اسلام ان کے صرف اسلام لانے کو ہی قبول کریں گے اور اگر کوئی اسلام نہ لائے گا تو اسے قتل کر دیں گے۔'' (شرح النووی مع صحیح مسلم جلد اوّل صفحہ 87 مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

امام ابوسلیمان الخطابی وغیرہ علماء نے بھی آنحضرت صلعم کے فرمان یضع الجزیۃ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے نیز دیکھیں فتح الباری شرح صحیح بخاری ابن حجر العسقلانی جلد نمبر 2 صفحہ 315۔

اسی طرح نواب مولوی صدیق حسن خان بھوپالی اپنی کتاب ''حجج الکرامۃ'' صفحہ 374 مطبوعہ مطبع شاہجانی واقع بلدہ بھوپال اور ان کے صاحبزادے نواب مولوی نور الحسن خان صاحب اپنی کتاب ''اقتراب الساعۃ'' میں مہدی موعود کی جنگوں کا لکھتے ہیں:

''سارے بادشاہ روئے زمین کے داخل اطاعت ہو جائیں گے۔ مہدی اپنا ایک لشکر طرف ہندوستان کی روانہ کریں گے یہاں کے بادشاہ طوق بگردن ہو کر ان کے پاس حاضر کیے جائیں گے۔ سارے خزانے ہند کے بیت المقدس بھیج دیئے جائیں گے۔ وہ سب خزائن حلیہ بیت المقدس ہوں گے۔ کئی برس تک مہدی اسی حال میں رہیں گے (اقتراب الساعۃ صفحہ 80 مطبوعہ 1309ھ مطبع سعید المطابع بنارس)

مسلمانوں کے اس عقیدہ کے مطابق کہ مسیح موعود اور مہدی بزور شمشیر کافروں کو مسلمان بنائیں گے یا انہیں قتل کر دیں گے۔۔۔انگریزی گورنمنٹ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیحت اور مہدی معہود، مہدیت کے دعوے کرنے کی وجہ سے مشکوک نظروں سے دیکھتی تھی۔ (۲): دوسرے اس وجہ سے کہ مرزا صاحب کے دعوے مہدیت سے پہلے مہدی سوڈانی نے (1871ء تا 1882ء) میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور سوڈان میں جہاد کا اعلان کر کے انگریزوں سے جو جنگ و قتال کا ہنگامہ برپا کیا تھا اور 1882ء

میں شکست کھائی تھی۔انگریز اس ''سوڈانی مہدی'' کی قتل وغارتگری کو بھولے نہیں تھے۔اس ''مہدی'' کا دعویٰ کرنے والے کو گورنمنٹ انگریزی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتی تھی اور نہ ایسے وجود کو برداشت کرسکتی تھی۔

تیسرے یہ کہ بعض علماء حضرات مرزا صاحب کے خلاف حکومت کے پاس یہ ریشہ دوانیاں کر رہے تھے اور حکومت کو مہدی سوڈانی کا زمانہ یاد دلا کر آپ کے خلاف اُکسا رہے تھے۔چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا تو یہ پیشہ ہو چکا تھا۔بٹالوی صاحب اپنے مشہور ومعروف رسالہ ''اشاعت السنہ'' میں لکھتے ہیں ''گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور مرزا غلام احمد صاحب سے پُر حذر رہنا ضروری ہے ورنہ اس ''قادیانی مہدی'' سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا''۔(اشاعۃ السنہ جلد 16 نمبر 6 حاشیہ صفحہ 168، 1893ء)

چوتھے پادری صاحبان جو مرزا صاحب مجدد صد چہاردہم کا از روئے دلائل مقابلہ کرنے سے عاجز آچکے تھے وہ اپنی شکست کا آپ (مرزا صاحب) سے انتقام لینا اسی صورت میں آسان سمجھتے تھے، خیال کرتے تھے کہ گورنمنٹ انگریزی کو جو ان کی ہم مذہب تھی آپ سے بدظن کر کے آپ کو قید کروائیں یا آپ پر پابندی عائد کرا کے تبلیغ اسلام سے باز رکھیں چنانچہ پادری ہنری مارٹن کلارک نے اس مقدمہ اقدام قتل میں جو آپ کے خلاف پادریوں کی سازش سے کھڑا کیا گیا تھا یہ حلفی بیان دیا تھا کہ ''مرزا صاحب کی نسبت میری رائے یہ ہے کہ یہ شخص ایک خراب، فتنہ انگیز اور خطرناک آدمی ہے۔اچھا نہیں ہے۔

پادری ہنری مارٹن کلارک انگریزی حکام کے ساتھ کھلے بندوں ملتا اور اُن کے ساتھ کھاتا پیتا تھا، اُٹھتا بیٹھتا تھا۔گورنمنٹ انگریزی کے کان مرزا صاحب کے خلاف بھرتا تھا اور اسی طرح دوسرے پادری عماد الدین وغیرہ بھی اپنی تحریروں میں اسی قسم کے الزام لگاتے تھے۔

پانچویں آپ کے دعویٰ کا زمانہ وہ تھا جبکہ 1857ء کی بغاوت پر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔بغاوت میں گو ہندوؤں اور مسلمانوں نے حصہ لیا تھا۔لیکن ہندوؤں نے یہ کہہ کر کہ ''اصل میں مسلمانوں نے اپنی حکومت دوبارہ قائم کرنے کے لئے یہ سب فتنہ کھڑا کیا ہے اپنے آپ کو علیحدہ کرلیا۔حضرت مرزا صاحب غلام احمد قادیانیؒ بانی جماعت احمدیہ نے خدا کے حکم سے ''مہدی'' ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔جس کے معنی انگریزوں کی نظر میں سوائے بغاوت کے اور کچھ نہ تھے'' دوسرے یہ کہ مرزا صاحب مغل خاندان کے تھے اور اس شجرہ نسب کی ایک شاخ تھے۔جن کی سلطنت کا خاتمہ 1857ء میں انگریزوں کے ہاتھوں سے ہوا تھا۔اس لئے مرزا صاحب کے متعلق انگریزوں کا خیال کرنا کہ آپ نے ''مہدی'' ہونے کا دعویٰ اس لئے کیا ہے کہ تا اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی عظمت اور سلطنت کو واپس لیں مستبعد امر نہیں تھا۔خصوصاً جبکہ مولوی حضرات اور پادری صاحبان بھی گورنمنٹ کو آپ کے خلاف بھڑکانے میں شب وروز مصروف تھے اور خفیہ رپورٹوں کے ذریعہ گورنمنٹ کو آپ سے بدظن کرانے کے لئے کوشش کرتے رہتے تھے۔انہی وجوہ کی بنا پر حضرت مرزا صاحب غلام احمد قادیانیؒ کو اپنی تالیفات میں ''جہاد'' کے متعلق مسلمانوں کے غلط نظریہ کی تردید کرنے اور ''جہاد'' کی حقیقت بیان کرنے اور گورنمنٹ کی نسبت اپنے رویہ کی وضاحت کرنے کے لئے اس خاص رسالہ کے لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

1857ء کی بغاوت میں مرزا صاحب کے خاندان نے جو گورنمنٹ انگریزی کی خدمت کی تھی اس کا بار بار ذکر کرنے کا بھی یہی مقصد تھا اور وجہ تھی۔مقصد یہ تھا کہ اگر دعویٰ مہدویت سے آپ کا مقصد اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی ریاست کا واپس لینا ہوتا تو آپ کا خاندان اس وقت جبکہ انگریزوں کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اُن کی مدد کیوں کرتا۔

انگریزی حکومت سے جہاد بالسیف نہ کرنے کو اس لئے ناجائز قرار دیا کہ شریعت اسلامی کی رُو سے ایسی گورنمنٹ سے جو امن وانصاف قائم کرتی اور کامل مذہبی آزادی دیتی اور مسلمانوں کے مال وجان کی حفاظت کرتی ہو ''جہاد'' بالسیف کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ آپ انگریزی گورنمنٹ کی خوشامد کرنے کا الزام دینے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اے نادانوں میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔قرآن شریف کی رُو سے جنگ مذہبی کرنا حرام ہے کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔

(کشتی نوح)

اور فرماتے ہیں:

''جس حالت میں شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں۔اور جس کے عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہوں اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت میں نیکی اور ہدایت پھیلانے کے لئے کامل مددگار ہو۔قطعی حرام ہے۔(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 66)

اور یہی مذہب حضرت سید احمد بریلویؒ مجدد تیرھویں صدی کا تھا۔

مولانا محمد جعفر تھانیسری کے متعلق مولانا محمد علی جالندھری لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں اور سیاست میں کونسا طالب علم ہے جو کہ مولانا جعفر تھانیسری مولانا فضل حق خیر آبادی کے نام اور آزادی وطن کے لئے مساعی سے آشنا نہیں (آزاد 17 اپریل 1950ء)۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری مئولف سوانح احمدی لکھتے ہیں کہ ایک سائل نے یہ سوال کیا کہ آپ انگریزوں سے جو دین اسلام کے منکر اور اس ملک کے حاکم ہیں جہاد کر کے ملک ہندوستان کیوں نہیں لے لیتے۔تو مجدد تیرھویں صدی حضرت سید احمد بریلویؒ نے فرمایا: سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کرتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیائے سنن سید المرسلین ہے۔سو وہ بلا روک ٹوک اس ملک میں ہم کرتے ہیں۔پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول اسلام طرفین کا خون بلا سبب گرادیں یہ جواب باصواب سن کر سائل چپ کر گیا۔

(سوانح احمدی کلاں صفحہ 71)

اور صفحہ 139 میں لکھتے ہیں:

''سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے''

اسی طرح آپ کے دست راست شاگرد رشید حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ سے اثنائے قیام کلکتہ جب کہ آپ وعظ فرما رہے تھے یہ سوال کیا گیا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا ایسی بے رُو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔(سوانح احمدی کلاں صفحہ 57)

سرسید احمد خان مرحوم نے اپنی تالیف ''رسالہ بغاوت ہند'' میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ بغاوت 1857ء جہاد نہ تھی اور نہ مسلمان انگریزی گورنمنٹ سے جہاد کرنے کے شرعاً مجاز تھے۔اسی طرح مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے ایک رسالہ ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' 1876ء میں تصنیف کیا اور علمائے اسلام کی رائے طلب کرنے کے لئے انہوں نے لاہور سے لے کر عظیم آباد اور پٹنہ تک سفر کیا اور مختلف فرقہائے اسلام کے اکابر علماء کو یہ رسالہ حرف بحرف سنا کر ان کا توافق رائے حاصل کیا۔اس میں آپ جن دلائل کا

ذکر کرتے ہیں ۔ ان دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے دارالسلام ہے۔اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا ہوخواہ عجم کا۔ مہدی سوڈانی ہو یا حضرت شاہ سلطان ایرانی ، خواہ امیر خراسان ہومذہبی لڑائی وچڑھائی کرنا ہرگز جائز نہیں (الاقتصاد صفحہ 16)

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

''اہل اسلام کو ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت اور بغاوت حرام ہے۔(اشاعت السنۃ جلد 6 صفحہ 187)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہندوستان میں نامور اہل حدیث اور عالم حدیث تھے۔وہ لکھتے ہیں:

''اس امن وآزادی عام وحسن انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہل حدیث ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں اور جہاں کہیں وہ رہیں اور جائیں (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم ورعایا ہونا نہیں چاہتے (اشاعت السنۃ نمبر 10 جلد 6 صفحہ 293)

معزز قارئینِ کرام! مذکورہ بیانات مرزا غلام احمد صاحب نے تو نہیں دیئے پھر بھی مرزا غلام احمد صاحبؒ ہی جہاد کے منکر اور کافر ہیں۔ 13ویں صدی کی عظیم الشان ہستی مجدد تیرھویں صدی حضرت سید احمد بریلویؒ جن کے بارے میں سب نے سکول کالج میں اپنے نصابوں میں پڑھا ہوگا۔اب مسلمان علمائے کرام سے عرض ہے کہ جن جن ہستیوں اور مختلف فرقوں کے جید علمائے ہند نے جہاد کو حرام قرار دیا ہے انگریزی حکومت کے خلاف تو اب ان صاحبان اور حضرات کے متعلق آپ مسلمان بھائیوں کا کیا فتویٰ ہے۔ان احباب کے علاوہ چند اور جید علماء کا یہی ماننا تھا کہ ہندوستان میں انگریز گورنمنٹ کے خلاف جہاد کرنا ناجائز ہے اور اسلام کی شرح کے مطابق جائز نہیں۔یہی مذہب مولوی نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپال کا تھا اور یہی مذہب مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کا تھا اور یہی فتویٰ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کا تھا اور یہی فتویٰ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب وغیرہ نے دیا اور یہی مذہب مولوی عبدالعزیز صاحب کا تھا اور یہی مذہب مولوی محمد مفتی صاحب لدھیانہ کا تھا کہ:

انگریزی گورنمنٹ کی مخالفت مسلمانوں کے لئے شرعاً حرام ہے۔
(دیکھو محمد مفتی لدھیانہ 1906ہجری)

اور مولانا ظفرعلی خان (مدیر اخبار ''زمیندار'') بھی ہندوستان کو دارالسلام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایات شاہانہ اور انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت وقلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔۔۔۔مسلمان ایک لمحہ کے لئے ایسی حکومت سے بدظن نہیں ہوسکتے نہ بدظن ہونے کا خیال کرسکتے ہیں۔اگر کوئی بدبخت مسلمان گورنمنٹ سے سرکشی کی جرات کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ وہ مسلمان مسلمان نہیں۔''(اخبار زمیندار۔مولانا ظفر علی خان صاحب مدیر 11 نومبر 1911ء)۔(جاری ہے)

☆☆☆☆

کعبۃ اللہ ہی ہمارا قبلہ اوّل ہے

خطبہ جمعۃ المبارک مورخہ 09 مارچ 2018ء بمقام جامع دارالسلام لاہور

از ناصر احمد، بی اے، ایل ایل بی

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا۔ یقیناً وہی ہے جو بکّہ (مکہ) میں ہے۔ برکت دیا گیا اور سب قوموں کے لئے ہدایت ہے۔ اس میں کھلے کھلے نشان ہیں۔ مقام ابراہیم ہے۔ جو وہاں داخل ہوا امن میں ہوگیا۔ لوگوں پر اللہ کے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک راہ پا سکے۔

(آل عمران 3:96-97)

مہمان نوازی اسلامی شعار ہے

پیشتر اس کے کہ میں آج کے موضوع کی طرف آؤں میں چاہتا ہوں کہ گذشتہ جمعہ کو قاری ارشد محمود صاحب نے حضرت امام الزماں کی مہمان نوازی کے جس واقعہ کا ذکر کیا تھا، اس کی کچھ مزید تفصیل آپ کو بتاؤں تا کہ آپ کو حضرت اقدس کی مہمان نوازی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس واقع کا تعلق حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے تھا۔ ڈاکٹر صاحب بمع اہل وعیال رات دیر سے قادیان پہنچے۔ پہنچتے ہی بیگم صاحبہ نے کہا کہ چھوٹی بچی کے لئے دودھ چاہیے۔ آپ فوراً بازار جا کر دودھ خرید لائیے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب دودھ کی دوکان پر پہنچے تو دوکاندار نے کہا کہ جو کچھ دودھ میرے پاس تھا ابھی ابھی ایک ادھیڑ عمر کی خاتون لے گئیں ہیں۔ اب میرے پاس دودھ نہیں ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب واپس اپنے کمرہ میں پہنچے ہی تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ایک ادھیڑ عمر کی خاتون نے دودھ پیش کیا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے پہنچتے ہی حضرت امام الزماں نے خادمہ کو دودھ کے لئے روانہ کردیا تھا اور یوں وہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے پہنچنے سے پہلے ہی دکاندار سے دودھ لے آئیں تھیں۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ حضرت اماں الزماں آنے والے مہمانوں اور ان کے بچوں کا کس قدر فکرمندی اور دھیان سے خیال رکھتے تھے حالانکہ سوچا جائے کہ ایک شخص جو دن رات مطالعہ اور لکھنے میں مشغول رہتا ہو، ملنے والوں کے لئے اصلاح وارشاد کی مجلس بھی ہوتی ہوں، وہ کہاں تک اتنی باریکی سے مہمانوں کا خیال رکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم مہمان نوازی کی اسلامی روایت کی جس حد تک ممکن ہو پاسداری کریں۔

اسی طرح قاری صاحب نے تاریخ کی مشہور عیسائی شخصیت حاتم طائی کی بیٹی کا بھی ذکر کیا تھا کہ ایک جنگ میں وہ قید ہو کر آئیں اور جب رسول اکرم صلعم کو پتہ چلا کہ حاتم طائی کی بیٹی قید میں ہے تو انہوں نے انہیں آزاد کرنے کا حکم صادر کیا۔ لیکن اس نے حضور صلعم سے کہا کہ میں اکیلی آزاد نہ ہوں گی جب تک میرے سارے ساتھی بھی آزاد نہ کیے جائیں۔ تو حضور صلعم نے ان کے علاوہ ان کے سب ساتھیوں کو بھی آزاد کر دیا۔ اس سے رسول اکرم صلعم کی ایک غیر مسلم کی سخاوت کی قدردانی اور خود ان کی فراخ دلی کا پتہ چلتا ہے۔

قرآن مجید میں کعبۃ اللہ کے متعلق تین نمایاں نشانیاں اور پیشگوئیاں

ان آیات میں جو میں نے ابھی تلاوت کیں ہیں مکہ کے متعلق تین نشانیوں کا ذکر ہے جو درحقیقت تین پیشگوئیاں ہیں جو کعبہ کے متعلق کی گئیں ہیں۔ پہلی پیشگوئی یہ ہے کہ یہ مقام ابراہیم ہے جو اَب مسلمانوں کے لئے روحانیت اور برکات کا مرکز رہے گا۔ جس کا دوسری جگہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں ذکر آتا ہے: ''اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع اور امن کا

مقام بنایا۔ ابراہیمؑ کے مقام کو قبلہ نماز بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اور اعتکاف کرنے والوں، اور رکوع کرنے والوں، اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کردو۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا: ''میرے رب اس کو امن والا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے۔'' (بقرہ2:126)

اس آیت میں مزید دو باتیں بڑی اہم ہیں، جن کا تاریخی حوالہ کسی اور مقدس گھر کے متعلق نہیں ملتا۔ ایک یہ کہ خدا یہ کہے کہ ''اس کو لوگوں کے لئے **مرجع اور امن کا مقام** بنایا گیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ خدا خود اس کو **میرا گھر** کہے۔ ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھیں۔

دوسری پیشگوئی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ محفوظ جگہ رہے گی یعنی یہ کبھی بھی دشمنوں کے قبضہ میں نہ جائے گی جو اس کو برباد کرسکے۔ دوسرے یہ جگہ خود بھی امن کی جگہ رہے گی۔ دوسرے لفظوں میں اس کی روحانی اور جسمانی حفاظت کا یقین خود خدا دلا رہا ہے۔ اب کیا کعبہ ''قبلہ اول'' ہے یا بیت المقدس؟ اس مسئلہ پر یہ دونوں تاریخی حقیقتیں فیصلہ کن ہیں اور تا قیامت رہیں گی۔ سورۃ آلِ عمران کی آیت 96 میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ بکّہ میں ہے''۔

اور تیسری پیشگوئی یہ ہے کہ اس مقدس گھر کا حج ہمیشہ جاری رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت خدائے واحد کے اس گھر کی عبادت کو نہ روک سکے گی۔

ان پیشگوئیوں کے بارے میں حیرت ناک بات یہ ہے کہ ان کا اعلان اُن حالات میں ہوتا ہے جب رسول اکرم صلعم اور ان کے ساتھیوں کو بظاہر ہمیشہ کے لئے مکہ کے مقدس مقام سے نکال دیا گیا تھا اور یہ جگہ مکمل طور پر دشمن کے قبضہ میں جا چکی تھی اور حالات اس قدر مخدوش تھے کہ کسی معمولی بات کو بہانہ بنا کر دشمن مسلمانوں کی کمزور جماعت کو تباہ کرسکتا تھا۔

ایک اور قابل ذکر بات جو آلِ عمران کی آیت 96 میں بیان ہوئی ہے کہ ''مکہ'' کی جگہ نام ''بکّہ'' درج کیا گیا ہے۔ اس نام کے اختیار کرنے میں بھی ایک تاریخی حقیقت کی طرف نہ صرف اشارہ ہے بلکہ یہ ایک مستقل پیشگوئی بھی ہے۔ بعض کے نزدیک بکۃ، تباک سے ہے جس کے معنی ازدحام ہیں یعنی لوگوں کی بھیڑ۔ کیونکہ لوگ یہاں حج اور عمرہ کے دوران طواف میں بڑی تعداد میں اکھٹے ہوتے ہیں۔ دوسرے اس کا مطلب پانی کی قلت بھی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مکہ میں دیگر شہروں کی نسبت پانی کی شدید قلت تھی جسے زم زم کے چشمہ کے جاری ہونے نے دور کردیا۔ پھر زبور کتاب 84 آیت 6 میں مکہ کے پرانے نام بکا کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے ''مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں وہ **سدا تیری تعریف کریں گے**۔ مبارک ہے وہ آدمی جس کی **قوت تجھ سے** ہے جس کے دل میں صیّون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں''۔

بائیبل کے اس حوالہ میں کئی فقرے انتہائی دلچسپ اور تاریخی اشارے دیتے ہیں۔ ''مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں'' اور ''وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں'' اور پھر قرآن مجید کی آیت میں لفظ بیتی ''میرا گھر'' اور ''مکہ کی جگہ بکا'' کا ذکر نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں خاص عظمت اور تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔

زمزم کا چشمہ نہ صرف خدا کا ایک زندہ نشان ہے بلکہ ''بکا'' یعنی ''مکہ'' سے اس کو خاص نسبت ہے۔ بائیبل اور قرآن مجید دونوں نے لفظ بکہ استعمال کر کے مکہ اور پھر اس کے ساتھ کعبہ کی قدیم تاریخ اور اس سے وابستہ خدائی تائید کی طرف واضح اشارے دیئے ہیں۔

عیسائی ماہر عربی لغت سٹین گاس نے بکا کے مصدر بک کے تحت یہ معانی درج کئے ہیں: ''چیرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ کسی کا سر توڑنا۔ ذلیل کرنا''۔

کعبہ کی تاریخ، اس کا پورے عرب میں تقدس، اور اس کے مستقبل کے حوالے سے لفظ بکا کا بائیبل اور قرآن دونوں میں ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہر جہت سے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اس میں اس کی دشمن اور تباہی سے حفاظت سرفہرست ہے۔ عیسائی گورنر ابرہہ کے مکہ پر حملہ کی معجزاتی طور پر ناکامی سے آپ سب واقف ہیں۔ مکہ کے بارے میں یہ سب خدائی وعدے ہم مسلمانوں کے لئے ہر لحاظ سے فخر کی بات ہیں۔

میں نے قرآن مجید کے دو الفاظ اول بیت یعنی ''پہلا گھر'' اور بکۃ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میرے ذہن میں اصل مقصد اس الجھن کو دور کرنا ہے کہ کیا بیت المقدّس قبلہ اول ہے یا خانہ کعبہ۔ کیا رسول اکرم صلعم کے مکہ اور پھر کچھ عرصہ بعد مدینہ میں بیت المقدّس کی طرف منہ کرنے سے وہ قبلہ اول بن گیا؟ کیا خانہ کعبہ جس کو خدا اپنا ''پہلا گھر'' کہہ رہا ہے نعوذ باللہ قبلہ کے لحاظ سے ثانوی حیثیت رکھتا ہے؟ حالانکہ اسے مدت مدید سے عبادت گاہ کے طور پر تاریخ کی سند حاصل ہے جو خود اللہ کے حکم سے بنی اور پھر اللہ ہی مختلف ادوار میں اس کو ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اور آخر میں اس گھر کی عظمت کے لئے رسول اکرم صلعم کو مبعوث فرمایا۔ اور پھر خانہ کعبہ کو خالصتاً خدائے واحد کی عبادت گاہ کے طور پر دائمی حیثیت حاصل ہے اور تاریخی لحاظ سے یہ ایک زندہ الٰہی نشان ہے جس کی قیامت تک ضمانت خود قرآن دیتا ہے اور پھر مزید یہ کہ واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اکرم صلعم کے دل میں اس کی عظمت بطور قبلہ ہمیشہ رہی۔ اور پھر تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ خصوصی عبادت کے لئے رسول اکرم صلعم کا غارِ حرا کا انتخاب بھی اسی لئے تھا کہ وہاں سے حضورؐ کو خانہ کعبہ بھی نظر آتا تھا۔ ورنہ تو غارِ ثور اور دیگر غاریں عبادت کے لئے انتخاب کی جا سکتی تھیں۔

قرآن مجید میں کعبۃ اللہ کے متعلق رسول اکرم صلعم کی عقیدت

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں بھی قابل غور ہیں جو واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ رسول اکرم صلعم کی ہمیشہ سے خواہش یہی رہی کہ خانہ کعبہ ان کا قبلہ ہو۔ ملاحظہ فرمائیں: ''اور ہم نے اسے جس پر تو تھا قبلہ نہیں بنایا''

(بقرہ 143:2)

''ہم یقیناً تیرے آسمان کی طرف توجہ کرنے کو دیکھتے ہیں پس ضرور ہم تجھے اس قبلہ کا متولی بنا دیں گے جس کو تو پسند کرتا ہے سو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے مونہوں کو اسی طرف پھیر دو۔''

(بقرہ 143:2)

ان دونوں آیات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کعبہ کو بطور قبلہ رسول اکرم صلعم شروع سے ہی پسند کرتے تھے اور اس کے لئے مسلسل دعا بھی کرتے تھے اور بالآخر خدا نے پہلے اس کا وعدہ کیا ''پس ضرور ہم تجھے اس قبلہ کا متولی بنا دیں گے'' اور پھر اس دعا کو قبول فرماتے ہوئے ہدایت کی ''سو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے مونہوں کو اسی طرف پھیر دو''۔

اس لئے میرے نزدیک رسول اکرم صلعم کے ذہن میں قبلہ ہمیشہ خانہ کعبہ ہی رہا۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ رسول اکرم صلعم کی یہ محض خواہش تھی بلکہ اس لئے کہ خود خدا کا منشا بھی یہی تھا جس کا واضح اشارہ ''اول بیت وضع للناس'' یعنی ''پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا'' کے الفاظ میں ملتا ہے۔ اسی سلسلہ میں سورۃ الحج کی آیت 29 میں اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے متعلق لفظ بیت العتیق یعنی ''قدیم گھر'' کے الفاظ سے اس امر کی مزید تصدیق کی ہے۔ اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کعبۃ اللہ کی اللہ نے ہر رنگ میں حفاظت کی اور اس کی تعمیر کے لئے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ جیسے جلیل القدر انبیاء کو خصوصی طور پر معمور کیا اور پھر اس کے ابدی تقدس اور خدائے واحد کی عبادت کے طور پر ایک مستقل مرکز قائم کرنے کے لئے کعبہ کو ہر لحاظ سے مستحکم اور روز بروز ترقی دی۔ حج اور ارکانِ حج خدا کی عظمت اور اس کی بندگی کے اقرار اور تجدید کا وسیع پیمانے پر یکتا عملی مظاہرہ کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ مزید براں قرآن مجید میں کعبۃ اللہ کی ابتداء، روحانی لحاظ سے اس کا تعلق ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ اور پھر حضرت اسماعیلؑ سے، اور پھر رسول اکرم صلعم کی بعثت واضح الفاظ میں ان تمام حقائق کی تصدیق کر رہی ہیں۔ کیا یہ خصوصیات اور حقائق کسی اور عبادت گاہ کو حاصل ہیں؟

خواتین وحضرات! کیا اس کے علاوہ کوئی عبادت گاہ ''قبلہ اول'' کہلانے کی مستحق ہے۔ کیا صرف اس بنا پر کہ رسول اکرم صلعم نے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، بیت المقدّس قبلہ اول ٹھہرتی ہے؟ کیا وہ عبادت گاہ جس کی تعمیر حضرت سلیمانؑ نے کی، جو دو مرتبہ دشمن کے ہاتھوں سے تباہ و برباد ہو گئی اور جو حضرت عمرؓ کی خلافت تک کھنڈر تھی اور ان کھنڈرات میں سے ایک پتھر جو آج

تک محفوظ ہے اسی پر گنبد صخرا بنایا گیا ہے اور وہ بھی ایک مسلمان خلیفہ نے۔ اب ذرا اس قبلہ اول کی اجمالی تفصیل سنتے چلئے۔ اس سلسلہ میں دو عمارتوں کے متعلق آپ کا ذہن بالکل صاف ہونا چاہیے۔ ایک تو ہیکل سلیمانی ہے جس کو حضرت سلیمانؑ نے یروشلم میں بڑے عظیم الشان طریق پر بنوایا تھا اور اس کی تعمیر میں 20 سال لگ گئے تھے۔ لفظ ہیکل کا ترجمہ 'متبرک جگہ یا وسیع عمارت' ہے۔ بابلیوں نے اس ہیکل کو پہلی مرتبہ 586 قبل مسیح برباد کر دیا۔ دوسری مرتبہ اس کی تعمیر 70 سال بعد 516 قبل مسیح میں ہوئی۔ لیکن اس کو بھی رومیوں نے سنہ 70 عیسویں میں برباد کر دیا۔ اس کی دیوار کا چھوٹا سا حصہ اب تک محفوظ ہے جس کو دیوار گریہ کہتے ہیں۔ آج بھی اس دیوار کے سامنے یہودی ہیکل سلیمانی کے دوبارہ تعمیر ہونے کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مسجد صخرا اصلی ہیکل سلیمانی کی عمارت سے بچی ہوئی ایک چٹان پر بنی ہے جس پر 691 عیسوی میں بنو امیہ کے خلیفہ عبدالملک نے گنبد بنوایا۔ جس کے باہر مسلمان نماز جمعہ اور دیگر نمازیں ادا کرتے ہیں اور قرآن مجید میں اسی کا ذکر "مسجد اقصیٰ" کے نام سے ہوا ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جو واقع معراج کے وقت صرف کھنڈر تھی۔ اب اس عمارت میں سوائے ہیکل سلیمانی کے بقیہ چٹان کے اس کا کچھ بھی حصہ باقی نہیں۔ اس وقت یروشلم میں ہیکل سلیمانی کی پہاڑی پر 3 عمارتیں موجود ہیں (۱): گنبد صخرا۔ (۲): مسجد عمر۔ (۳): مسلمانوں کی تعمیر کردہ مسجد اقصیٰ۔ اس عمارت کا اور قرآن مجید میں مذکورہ مسجد اقصیٰ سے غلط ملط نہ کریں۔

آج کی مسلمانوں کی مسجد اقصیٰ 8 ہجری میں مسجد صخرا سے چند سو گز کے فاصلہ پر تعمیر ہوئی۔ میں نے کوشش کی کہ اس کے متعلق معلومات حاصل کر سکوں لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا۔ گنبد صخرا اور مسجد اقصیٰ دونوں عمارتیں ہیکل سلیمانی کی قدیم پہاڑی زمین پر تعمیر ہوئی ہیں۔ دیوار گریہ اسی زمین کے مغربی کنارہ پر ہے۔ جو مسلمانوں کی تعمیر کردہ مسجد اقصیٰ کی عمارت میں لے لی گئی ہے۔ اقصیٰ کا عربی میں مطلب "باہر کے ارد گرد کا علاقہ" ہے۔ مسلمان اس سے مراد یروشلم لیتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں مسجدِ اقصیٰ اور اُس سے متعلق تاریخی حقائق

جیسا کہ میں نے ابھی تفصیل سے بتایا ہے کہ واقعہ معراج میں جس مسجد اقصیٰ کا ذکر ہے اس میں واضح اشارہ اصل ہیکل سلیمانی کی طرف ہے جو اس واقعہ معراج کے وقت سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ واقعۂ معراج کے دوسرے دن جب یہودیوں نے رسول اکرم صلعم سے مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تفصیل پوچھنی شروع کی تو جو عمارت حضور صلعم کو کشف میں دکھائی گئی وہ اصلی ہیکل سلیمانی کی عمارت تھی۔ چونکہ اس وقت ہم صرف قبلہ اول کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اس لئے میں واقعہ معراج کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ اس میں اکثر سے زیادہ تفصیلات انسانی تخیل کی تخلیق ہیں۔ یہ اس لئے ہوا کیونکہ کثرت سے مسلمان جسمانی معراج کے قائل ہیں۔ مثلاً یہ کہ رسول اکرم صلعم براق کے ذریعہ کعبہ، مکہ سے ہیکل سلیمانی یروشلم گئے اس دوران حضرت جبرائیل ان کے ساتھ تھے۔ اور پھر یروشلم سے براق کی بجائے آپ حضرت جبرائیل کے ہمراہ ساتوں آسمان تک گئے۔ اور پھر ان کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے بھی ہوئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مکہ سے یروشلم تک کیوں ان کو براق کی ضرورت پڑی؟ جبکہ حضرت جبرائیلؑ اس وقت بھی ان کے ساتھ تھے اور کیا وہ یہ چھوٹا سا سفر نہ کروا سکتے تھے؟

اس قسم کی کئی اور تفصیلات ہیں جو خالصتاً انسانی ذہن کی تخلیق ہیں اور جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور جن کا تاریخی ہونا بھی ناممکنات میں سے ہے۔ میں نے بائیبل، قرآن مجید اور تاریخ سے حوالے، شواہد اور پھر دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس کو مسلمان قبلہ اول کہتے ہیں اس کا بعثت کے وقت وجود ہی نہ تھا اور نہ ہی بائیبل میں کسی نبی کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خدا نے اُس کو عبادت گاہ بنانے یا اس کو قبلہ مقرر کرنے کی ہدایت نازل کی ہو۔ بلکہ بائیبل کتاب یسعیاہ باب 66 آیات 1-2 میں خداوند یوں فرماتا ہے کہ "آسمان میرا تخت ہے اور زمین میرے پاؤں کی چوکی۔ تم میرے لئے کیسا گھر بناؤ گے اور کونسی جگہ میری آرام گاہ ہوگی کیونکہ یہ سب چیزیں تو میرے ہاتھ نے بنائیں اور یوں موجود ہوئیں"۔

اب میں خانہ کعبہ کی دیگر خصوصیات کا ذکر کروں گا جو صرف اُسی سے خاص ہیں اور کسی اور عبادت گاہ کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔ اور اس لحاظ سے خانہ کعبہ ہی خاص اعجاز کا مالک اور قبلہ اوّل ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

چونکہ وقت کم ہے اس لئے آج میں صرف کعبۃ اللہ سے متعلق ان روحانی اور جسمانی خصوصیات ہی کا ذکر کروں گا جو اس عبادت گاہ سے خاص ہیں اور جو دنیا کی کسی اور عبادت گاہ کو حاصل نہیں۔ کعبۃ اللہ کے سلسلہ میں دیگر اہم حقائق کی تفصیل پھر کسی وقت عرض کروں گا یا پیغام صلح میں شائع ہوں گی۔

یہ حقیقت ہے کہ حج ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ خدا کی وحدانیت کے حوالے سے بین الاقوامی اجتماع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس میں تقاریر نہیں اقرار، ریزولیوشن نہیں اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی تجدید اور اس سے متعلق علامتی اقدام ادا کیے جاتے ہیں۔ جن کا مقصد نفس کی اصلاح اور اجتماعی بھلائی کا احساس اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ کعبۃ اللہ ایک عبادت گاہ کے طور پر ہر لحاظ سے یکتا حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے متعلق عبادات اپنی سادگی، اخلاق کی اصلاح، خیر خواہی اور خیر سگالی کے فروغ کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہیں۔

حج جہاں انفرادی اصلاح کا بلند ترین مقام ہے وہاں اجتماعی مساوات، یک جہتی، بھائی چارہ اور نظم وضبط کا ذریعہ بھی ہے اور انتہائی موثر مظاہرہ بھی جس کی مثال مذہبی دنیا کے تہواروں میں نہیں ملتی۔

یہ روحانی اور سماجی تربیت گاہ بھی ہے اور پھر نسلی امتیازات ختم کرنے کا عملی نمونہ بھی۔ اسلام میں روزہ اور حج دو ایسی عبادتیں ہیں جو جسمانی مجاہدہ، جذبہ قربانی اور خدا کی شکر گزاری کے اظہار اور تربیت کا بہترین موقع فراہم کرتے ہیں۔ لیکن حج میں قربانی کا عنصر زیادہ غالب نظر آتا ہے۔ جس کی خصوصی تربیت مقصود ہے۔ خوشی کا موقع ہو تو شکر ادا کرنے کے لئے قربانی، کوئی مصیبت آن پڑے تو استغفار کے ساتھ بلا کو ٹالنے کے لئے قربانی، کسی فرض کے ادا کرنے میں معذوری ہو تو فدیہ کے طور پر مال کی قربانی۔ غرضیکہ دین نیکی کے ہر عمل میں کبھی خواہشات کی قربانی چاہتا ہے، کبھی جذبات کی قربانی اور پھر کبھی جان تک کی قربانی چاہتا ہے۔ اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لئے اس دنیا کی نعمتوں کی قربانی چاہتا ہے۔ حج ہی ایک ایسی عبادت ہے جو ایسی سب ہی قسم کی قربانیوں کی نہ صرف یادگار ہے بلکہ ان کی ترویج کا ایک انتہائی سنہری موقع فراہم کرتا ہے اور کعبۃ اللہ انہی قربانیوں کے عملی نتائج کا زندہ اور تابندہ گواہ ہے۔

کعبۃ اللہ کی منفرد مذہبی اور تاریخی اہمیت

اب میں کعبۃ اللہ کی ان بے نظیر خصوصیات کو مختصراً بیان کر کے خطبہ کو ختم کروں گا:

(۱) یہ وہ واحد عبادت گاہ ہے جو سب سے پرانی اور اب تک زندہ و جاوید ہے۔ اس میں صرف اور صرف خدائے واحد کی عبادت کی جاتی ہے۔

(۲) اس عبادت گاہ کی سادگی، طرز تعمیر اور اس کی عقیدت دنیا بھر میں بے مثال ہے۔

(۳) اس عبادت گاہ کی اصل صورت شروع سے اب تک قائم و دائم ہے اور اس کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اسے ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ اور ان کے جلیل القدر بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے دوبارہ تعمیر کیا۔

(۴) اس عبادت گاہ کے ذریعہ اُن انبیاء کی قربانی اور فرمانبرداری کو ہر سال کیا، بلکہ ہر لحہ، علامتی عبادات کے ذریعہ یاد کیا جاتا ہے۔

(۵) یہ وہ واحد عبادت گاہ ہے جس کے گرد خدائے واحد کا ورد کرتے ہوئے لوگ گھڑی کی مخالف (Anti Clock) رُخ میں چکر لگاتے ہیں۔ اس الٹ رُخ میں چکر لگانے کا مقصد علامتی طور پر روحانی بلندی حاصل کرنے کی کوشش ہوتی ہے کیونکہ Anti Clock رُخ میں جب کوئی چیز گردش کرتی ہے تو وہ اوپر کی طرف بلند ہوتی ہے۔ طواف کرتے ہوئے الھم لبیک کے ورد سے طواف کے ذریعہ اللہ کی خالص محبت کا اظہار اور اس کی ترقی مقصود ہوتا ہے۔

(۶) یہ دنیا کی واحد عبادت گاہ ہے جس کی طرف ہر لحہ دنیا کے ہر کونے سے لوگ عبادت کرتے ہوئے رُخ کرتے ہیں اور جب لوگ کعبۃ اللہ میں ہوتے ہیں اور اس کے چاروں طرف صفوں میں لاکھوں کی تعداد میں قطار اندر قطار کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی جبینِ نیاز کو خدا کی مکمل تابعداری میں سجدہ ریز کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ کعبہ کو عبادت گزاروں نے وحدانیت کا ایک عظیم

الشان ہار پہنایا ہوا ہے اور کعبۃ اللہ ان سجدہ گذاروں میں فخر سے سر اُٹھائے ہوئے ان کی نگہبانی کر رہا ہوتا ہے۔ اس حالت میں تمام زبانیں اللہ کی عظمت کا ورد کر رہی ہوتی ہیں اور یہ اتحاد، فرمانبرداری اور نظم و ضبط کا بے نظیر اور انتہائی دلکش نظارہ ہوتا ہے۔

(۷) کعبہ کے گرد سات مرتبہ طواف پاکیزگی اور تابعداری کا کامل ترین عملی مظاہرہ کی علامت ہے۔ اسی لئے اللہ کی کامل قدرت کا اظہار بھی سات آسمانوں کی شکل میں تخلیق کیا گیا ہے اور شاید اسی لئے ہندوؤں میں شادی کے بندھن کو مضبوط کرنے کے لئے بھی 7 پھیرے لگائے جاتے ہیں۔ اللہ کی حمد اور اس کی مکمل تابعداری کے اظہار کے لئے سورت فاتحہ میں بھی 7 آیتیں ہیں۔ جو اللہ کی عظمت اور بندہ کی عبودیت کی کامل ترین ہدایت کا ذریعہ ہے۔

(۸) کعبۃ اللہ کے گرد طواف کرتے ہوئے صرف اور صرف خدائے واحد کے حضور حاضر ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے اس موقع پر رسول اکرم صلعم کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔ اسی لئے واضح طور پر قرآن مجید سورت قریش میں یہ ہدایت دیتا ہے: ''پس چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں''۔(3:106)

(۹) اسلامی تہواروں میں روحانی ترقی پر زور دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاقی اور سماجی نظم کی ہدایات کی تلقین بھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس سلسلہ میں فرماتا ہے: ''حج کے معلوم مہینے ہیں۔ پس جس نے ان میں اپنے اوپر حج لازم کر لیا تو حج میں نہ فحش کلام ہے اور نہ گالی گلوچ اور نہ ہی کوئی جھگڑا۔ اور جو کچھ تم نیکی کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے اور زادِ راہ لے لیا کرو۔ البتہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے عقل والوں میرا تقویٰ اختیار کرو''(2:197)

آخر میں علامہ اقبال سے معذرت کے ساتھ ان کے ایک شعر میں تبدیلی کی جسارت کرتے ہوئے عرض ہے:

دنیا کے معبدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

مسلمانوں کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے تو ایسا نظر آ رہا ہے کہ ہم نے اس کی پاسبانی کیا کرنی ہے وہی ہماری پاسبانی کر رہا ہے۔

درخواست دُعا

اپنے بھائی، بہنوں کی اعانت ہمارے فرائض میں شامل ہے اور سب سے بہترین اعانت دعا ہے۔ درج ذیل احباب جماعت مختلف عوارضِ جسمانی میں مبتلا ہیں۔ مرکز میں ان کے لئے تمام نمازوں میں دعا کی جارہی ہے۔ تمام قارئین ''پیغام صلح'' سے درخواست ہے کہ وہ اپنی اجتماعی اور انفرادی دعاؤں میں ان احباب کے نام شامل رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

محترم ماسٹر عبدالسلام صاحب (لاہور)

محترم صاحبزادہ ظہور احمد صاحب (پشاور)

والدہ صاحبہ طاہر صادق و نجیب صادق صاحب (راولپنڈی)

محترم صاحبزادہ سید لطیف صاحب (پشاور)

محترم ملک ناصر احمد صاحب (سانگلہ ہل)

فرزند اکبر محترمہ رشیدہ ظفر صاحبہ (اسلام آباد)

نومولود بیٹا نوید احمد ملہی (واعظ سرگودھا)

سعید احمد عزیز صاحب، مانچسٹر (انگلستان) فرزند اکبر شیخ قمر الدین جہلمی مرحوم، مصنف کتاب ''قمر الھدیٰ'' دل کے عارضہ سے ہسپتال میں ہیں۔

☆☆☆☆

انسانی حقوق کی منفرد خاتون قانون دان کا اچانک انتقال

عامر عزیز (امام مسجد، برلن، جرمنی)

قانونِ قدرت ہے کہ زندگی جیسی حسین نعمت بھی آخر کار ختم ہو جاتی ہے۔ اس اٹل قانون کو خدا کی آخری کتاب، قرآن مجید نے ''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے'' کے معنی خیز الفاظ میں بیان کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ چند افراد کی زندگی صرف قوم کے لئے نعمت ہی نہیں بلکہ خلقِ خدا کے لئے عظیم رحمت سے کم نہیں ہوتی۔ اور اس رحمت کا چھن جانا ایک عالم کو پریشان حال اور بے سہارا کر دیتا ہے۔

چند روز قبل اس قضائے اجل نے مملکتِ خداد پاکستان کے اُس پھول کو توڑ لیا جس نے ساری زندگی مہکتے ہوئے اس گلستان میں وہ رنگ بکھیرے جس سے حقوق انسان اور بطور خاص نسواں کے کمزور طبقہ کے حقوق کے لئے نہایت دردمندی اور جرأت سے جدوجہد کی۔ پاکستان کی ایک عظیم بیٹی، ایک عظیم شخصیت جس کی ساری زندگی حقوق کے حصول کی جدوجہد میں گزری، جس نے پاکستان میں انصاف اور آزادی رائے کی وقعت کے لئے بے لوث خدمات سرانجام دی اچانک اس جہانِ فانی سے جہانِ ابدی کی طرف کوچ کر گئیں۔ میری مراد مرحومہ عاصمہ جہانگیر صاحبہ ہیں جن کی ساری زندگی ہی جہدِ مسلسل میں گزری۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے بہت طویل، کٹھن اور لازوال جدوجہد کی ہے اور انسانی حقوق اور قانونی حلقوں میں تھوڑے ہی وقت میں ان کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔

ایک ننھی دھان پان سی خاتون اپنے وقت کے جابر ترین حکمران کے خلاف کھڑی ہو کر بلا خوف وخطر بولتی ہے تو اس کی آواز حکومت کے ایوانوں کو ہلا دیتی ہے۔ وہ عظیم الشان اور بہادر خاتون اونچے ایوانوں میں بیٹھے طاقت کے نشے میں مخمور لوگوں کے خلاف بھی آواز بلند کرتی تھی جن کے خلاف بڑے بڑے طالع آزما چُوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ Compromise کر لیتے ہیں لیکن اس عزم کی پیکر خاتون نے کبھی اپنے نقطہ نظر اور قومی غیرت پر کوئی Compromise نہیں کیا اور ساری زندگی حق و صداقت کی خاطر ایسی ڈٹ کر کھڑی رہیں کہ بقول فیض احمد فیض کے:

جوڑ کے تو کوہِ گراں تھے ہم

عاصمہ مرحومہ نے پاکستان میں رہنے والی تمام اقلیتوں اور خواتین کے حقوق کے لئے جس جوانمردی سے آواز بلند کی وہ آواز بظاہر اب ہمیشہ کے لئے دب گئی ہے۔ یہ عاصمہ جہانگیر مرحومہ ہی تھیں کہ جن کی آواز اقوام متحدہ اور باقی تمام ممالک میں ان محروم طبقات کی آواز ہی نہیں تھیں بلکہ انہوں نے پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کو زبان دی۔ جہاں کہیں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی تھی تو ان کی للکار دنیا کے کونے کونے میں سنائی دیتی تھی۔ ان کی ان گراں قدر خدمات کا حق نہ تو ہمارے الفاظ ادا کر سکتے ہیں اور نہ ہی دنیا کا کوئی اجر اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔

مرحومہ بے شک ایک مجاہدہ تھیں۔ یہی وہ حقیقی جہاد ہے جو انہوں نے کیا۔ ایسی ہستیاں دنیا میں کبھی کبھی آیا کرتی ہیں۔ ایسی نادر شخصیات صدیوں میں پیدا ہوا کرتی ہیں جو جبر، ظلم و بربریت اور ناداروں کی حمایت میں کھڑے ہو کر ان کے حقوق دلانے کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دینے کو تیار ہوتی ہیں۔ ہم عاصمہ جہانگیر صاحبہ کی خدمات کو سلام پیش کرتے ہیں انہوں نے جو خدمات اور انسانی حقوق خاص طور پر اقلیتوں کی آواز بلند کرنے کے سلسلہ میں کیں ان کا برملا اعتراف کرتے ہیں اور ان کی عظمت کو سلام پیش کرتے ہیں۔

بڑے بڑے لوگ تھوڑی سی مصیبت آنے پر واویلا مچانا شروع کر دیتے

ہیں ۔ بہت لوگ ہمت اور حوصلہ ہار بیٹھے ہیں اور بعض اوقات ہجرت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں گو ہجرت کرنا کوئی بری بات نہیں ۔لیکن یہ وہ خاتون تھیں کہ جنہوں نے پاکستان کے اندر رہتے ہوئے اس بات کو بھی ثابت کیا کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ یہ اس کی عطا اور امانت ہے اسے واپس لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے ۔جتنی مخالفت مرحومہ کی ہوتی تھی شاید ہی کسی کی ہو ۔اور جس طرح انہوں نے ان طبقات کی نمائندگی کی کہ جن کے حق میں بولنا جرم سمجھا جاتا ہے تو یہ عین ممکن تھا کہ ان کی زندگی بہت پہلے ختم ہو چکی ہوتی ۔لیکن کیونکہ خدا تعالیٰ ہی زندگی دیتا اور وہی مارتا ہے ۔ اللہ نے جب تک ان کو زندگی دی انہوں نے کلمہ حق بلند کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ ان سے بڑھ کر کوئی اور خاتون، کوئی اور مرد اس دور میں کم از کم اس قسم کا جہاد کرتا نظر نہیں آتا جو عاصمہ جہانگیر مرحومہ مغفورہ نے کیا۔

میں نے ان کی زندگی کا وہ دن بھی دیکھا جس دن وہ ایک کیس کے سلسلہ میں عدالت میں تھیں کہ وہیں ان پر حملہ کر دیا گیا۔لیکن چونکہ خدا نے ان کو زندگی عطا کرنی تھی تا کہ وہ اپنے مقدس مشن کو مکمل کر سکیں وہ بچ گئیں ۔ وہ حق وصداقت کی آواز تھیں ۔ پاکستان میں اعتدال اور عقل وشعور کے مطابق بات کرنا عاصمہ جہانگیر مرحومہ ومغفورہ کا ہی خاصہ تھا۔افسوس ان کے ساتھ ہی یہ آواز دب گئی ۔ایک ایسا چراغ بجھ گیا ہے جس کی روشنی امید کی کرن اور بے نواؤں کی ڈھارس تھی ۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ان کی یہ روشنی ان کی لائق بیٹی منیزے جہانگیر جاری وساری رکھیں گی ۔

عاصمہ جہانگیر کا نعم البدل کہیں بھی موجود نہیں ہے ۔ان کے مخالفین کو بھی ان کی وفات پر ان کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا ۔ یہی ان کے بڑا ہونے اور عوام الناس کے دلوں میں بسنے کا بڑا ثبوت ہے ۔ان کا قد ان کی وفات سے اور بڑھ گیا ہے انہوں نے جس طریقے اور جس انداز میں خدمت کی ہے یہ کسی معمولی انسان کا کام نہیں ہے ۔

اے عاصمہ جہانگیر ہم آپ کی جدائی سے غمگین ہیں اور ہماری آنکھیں بھی اشکبار ہیں کیونکہ آپ نے جو کام کیا وہ عزم اور حوصلہ مندی کا کام تھا۔ ہم آپ کے ایک ایک کارنامے کو سراہتے اور آپ کی ایک ایک نیکی کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ جس طرح آپ نے ہمیشہ اپنا سر فخر سے بلند رکھا اور اپنے کام اور مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے زندگی کا ایک ایک لمحہ خطرات میں گزارہ جو آپ کو بجا طور پر اعلیٰ مدارج کا حقدار ٹھہراتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ آپ کا رتبہ اخروی زندگی میں بھی اتنا ہی بلند کرے جس طرح اس نے آپ کو یہاں عظمت اور شہرت دی تھی ۔ آپ کو خدا تعالیٰ اپنے ان نیک لوگوں میں شامل کرے کہ جن کے بارے میں اس کا وعدہ ہے **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** آپ کو یہاں بھی کوئی خوف اور غم نہیں تھا اور اللہ کے فضل و کرم سے آپ کو آخرت میں بھی کسی خوف اور غم کا سامنا نہ ہوگا ۔

☆☆☆☆

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گذارش

احباب وخواتین جماعت سے درخواست ہے کہ موجودہ حالات و مسائل کے پیش نظر مضامین لکھ کر ارسال فرمائیں ۔ یہ آپ کا اخبار ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ متنوع بنانے کے لئے تعاون کی ضرورت ہے ۔

پیغام صلح کے معیار کو بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے ۔ لیکن آپ کے تعاون کے بغیر اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ممکن نہیں ۔ اپنے قیمتی مضامین ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرمائیں ۔

ایڈیٹر پیغام صلح

انتخاب: ارشد علوی

انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں، حصولِ معرفت کے ذرائع اور وسائل

ماخوذ از لیکچر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' تصنیف حضرت مرزا غلام احمد قادیانی، بانی تحریک احمدیہ

''یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتیں جن کا سرچشمہ اور مبدء نفس امارہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتوں سے کوئی الگ چیز نہیں ہے کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قویٰ اور جسمانی خواہشوں اور تقاضوں کو طبعی حالات کی مد میں رکھا ہے اور وہی طبعی حالتیں ہیں جو بالا رادہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی کے محل پر استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہی اخلاقی حالتیں ہیں جو پورے فنا فی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محویت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں نہ آئیں کسی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں۔

انسانی حالتوں کے تین سرچشمے ہیں یعنی نفسِ امّارہ۔ نفسِ لوّامہ۔ نفسِ مطمئنہ۔۔۔۔

''تمام قرآن مجید کا مقصد صرف نفس کی ان تین حالتوں کی اصلاح ہے اور اس کی تعلیم کا لبِ لباب یہ اصلاحیں ہیں جو بطور وسائل کے کام کرتی ہیں۔ اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لئے کبھی چیرنے، کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسا ہی قرآن کی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کے لئے ان لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اس کے تمام معارف یعنی علم کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو ان کی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچائے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہنچ جائے۔

یاد رہے کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی اصلاح اور مشورہ سے صادر ہوں، گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں، درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھیں گے۔۔۔ اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل و تدبیر سے کام نہیں لیتا وہ ان شیر خوار بچوں کی طرح ہے جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہیں پڑا۔۔۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیر خوار اور دیوانہ نہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں۔ بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکوں کے پیش آنے کے وقت صادر ہوتی جاتی ہیں جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف رُخ کرتا ہے۔۔۔ بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بداخلاقی کا زمانہ اس وقت شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی یا بدی۔۔۔ میں فرق کر سکے۔ پھر اچھی راہ ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں نادم اور پشیمان دیکھے۔ یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جس کو خدا کے پاک کلام میں نفس لوامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔۔۔'' (جاری ہے)

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

اللہ تعالیٰ کا شکر

مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم

ادا کس زباں سے ہو شکرِ خدا
نہ تھے ، ہم ہمیں اُس نے پیدا کیا
زمین آسمان اور تارے تمام
اُسی ہی کی قدرت کے ہیں سب یہ کام
ہوا آگ پانی کو پیدا کیا
جو سامان تھا آرام کا سب دیا
ہدایت کا رستہ دکھایا ہمیں
بُری رَہ سے اس نے بچایا ہمیں
نبی اور رُسول اُس نے بھیجا کیے
ہیں مبعوث اس نے پیغمبر کیے
اگر بھیجتا وہ نہ اپنے نبی
تو ہو جاتے گمراہ بندے سبھی
یہ احسان اس کا ہے کتنا بڑا
دیا ہم کو اُس نے نبی مصطفےٰؐ
ہمیں دی ہے قرآن سی اُس نے کتاب
دکھاتی جو ہے سب کو راہِ ثواب
ہمیں سے یہ لازم کہ جب تک جیئیں
دل و جان سے شکر اس کا کرتے رہیں